ماہنامہ • مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

سب سے قریب راستہ

میں نے علم کلام کے سارے مباحث
اور فلسفہ کے تمام ابواب پر پوری طرح
غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سے نہ
بیمار تندرست ہوتا ہے اور نہ پیاسا
سیراب! میں نے پایا کہ منزل مقصود تک
لیجانیوالا سب سے قریب راستہ قرآن پاک
کا ہے

(امام رازیؒ)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا چھٹا اجلاس عام

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا چھٹا اجلاس عام مادر علمی جامعۃ الفلاح میں ۱۵، ۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۹۶ء منعقد ہونے جارہا ہے۔ ناظم اجلاس مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی اور معاون مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی ہونگے۔ اس اجلاس کا افتتاح انشاء اللہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحب مدظلہ العالی فرمائیں گے۔ اس موقع سے بعنوان "ملی اداروں کو درپیش چیلنج" ایک مذاکرہ بھی ہوگا۔ جس میں مختلف دینی وعصری اداروں کے ذمہ داران اور نمائندے حصہ لیں گے۔

اسی موقع سے "کلیۃ البنات" جامعۃ الفلاح کے نئے دارالاقامہ کے افتتاح کے علاوہ انجمن ہاؤس کا سنگ بنیاد بھی رکھا جائے گا۔ نیز فارغات جامعۃ الفلاح کا بھی اجلاس ہوگا۔ جس میں انکی الگ انجمن "انجمن طالبات قدیم" کی تشکیل عمل میں آئے گی۔ فارغات کے اجلاس کی ناظمہ پہلے بیچ کی فارغہ محترمہ ساجدہ ابواللیث ہوں گی۔

تمام فارغین و فارغات ابھی سے تیاریاں شروع کردیں۔ نیز اس سلسلہ کا کوئی مشورہ یا تجویز ہو تو درج ذیل پتہ پر ربط قائم کریں۔ واضح رہے کہ اجلاس کی یہ تاریخیں زیر غور ہیں۔ اس سلسلہ میں حتمی فیصلہ انجمن کی اگلی شوریٰ ۲۴ دسمبر ۹۵ء کے ہونے والے اجلاس میں کرے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریاگنج

جلد ۱۱ | ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۵ء — ربیع الآخر تا شعبان ۱۴۱۶ھ | شمارہ ۹ تا ۱۲

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر
عبدالبر اثری فلاحی

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون	۵۰/۰۰ روپے
طلبہ کے لئے	۴۰/۰۰ روپے
خصوصی زرتعاون	۱۰۰/۰۰ روپے
اعزازی زرتعاون	۱۰۰۰/۰۰ روپے
بیرون ممالک سے زرتعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۷/۰۰ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ
پن کوڈ ۲۷۶۱۲۱ فون ۸۱۸۱۱۵

(نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ)

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

• اداریہ		
کتابیں اپنے آبا کی	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳
• بحث و نظر		
اقبال کا تصورِ فقر	انیس احمد اعظمی	۷
تحقیق کیسے	انیس احمد فلاحی مدنی	۵۲
عہدِ خلفاءِ راشدین اور حدیث کی روایت	ڈاکٹر محمد سلیم	۴۳
قلم ایک امانت	کے. ایم آصف اعظمی	۳۱
• خطبات		
پرستہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر	مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی	۱۴
• فقہ و فتاویٰ		
کیا حجرِ اسود کا بوسہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے؟	علامہ یوسف القرضاوی	۳۹
حضورؐ کے پیر کا نشان اور اس سے تبرک کا حصول		
والدین کے بدلے حج کا حکم		
• شعر و نغمہ		
ترانۂ جامعۃ الفلاح	عبدالشکور دور صدیقی	۷۰
• تعارف و تبصرہ		
ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس	عبدالبر اثری فلاحی	۵۹
• جامعہ کے لیل و نہار		
لائبریری کی بنیاد، دو روزہ سمینار، نئے نگرانِ اعلیٰ	محمد اسمٰعیل فلاحی	۶۶

اداریہ

کتابیں اپنے آبا کی

محمد اسمٰعیل فلاحی

بچپن میں پڑھا تھا۔ خرگوش اور کچھوے میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ کچھوا رینگتا آگے بڑھا اور خرگوش چھلانگیں لگاتا۔ پلٹ کر جو اس نے دیکھا تو کچھوا بہت پیچھے تھا۔ وہ لگا سستانے۔ نیند آگئی۔ جب آنکھ کھلی تو کچھوا منزل پر پہونچ چکا تھا۔ خرگوش بہت پچھتایا۔ یہ واقعہ کیوں یاد آیا؟! اسکی ذرا تفصیل ہے۔

پائیدار، موثر اور تعمیری انقلاب علم کا مرہونِ منت ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی کامیابی ہو یا آخرت کی، دونوں کا سرا علم سے جڑتا ہے۔ اسلام سے بڑھکر علم، تحصیلِ علم اور فروغِ علم پر کس نے زور دیا ہوگا؟۔ ابھی کارِ رسالت کی ابتدا تھی کہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ. الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. (العلق)	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے، پڑھ، تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، تعلیم دی انسان کو ان چیزوں کی جن سے وہ ناواقف تھا۔

اسی علم کی بنیاد پر تخلیقِ آدم کے ضمن میں فرشتوں کا اشکال دور ہوتا، ان کی الجھن رفع ہوتی اور آدم مسجودِ ملائک ہوتے ہیں اور کم علمی، علم کے صحیح سمت میں نہ ہونے یا علم کو صحیح طریقہ پر استعمال نہ کرنے کے نتیجہ میں ابلیس مردود خلائق اور راندۂ دربار الٰہی ہوتا ہے۔ قدم قدم پر اسلام نے تحصیلِ علم پر زور دیا ہے۔ کائنات اور مظاہرِ کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اہلِ علم کو بینا اور صاحبِ بصیرت

وبصارت اور بے علم کو نابینا بتایا ہے۔ علم کو نور اور جہل کو ظلمات سے تعبیر کیا ہے نبی ﷺ نے جنگ بدر کے مشرک قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا تھا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، اور صحابہ کرامؓ کو مختلف زبانیں سیکھنے کی ترغیب بھی دی تھی خود آپؐ مختلف فنون سے واقف تھے اور آپؐ نے ان کے سیکھنے پر اپنے اصحاب کرام کو بھی ابھارا تھا۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے علوم وفنون اپنے ہاتھ میں لے علم کی نئی نئی شاخیں نکالیں، بہت سے علوم کی تجدید، تہذیب اور تنقیح کی، کتنے علوم کی نئے سرے سے بنا ڈالی کتنی چیزوں کی تحقیق اور ایجاد کا سہرا انکے سر رہا اور اس طرح دنیا کو ایک نئی سمت عطا کی اور اسے جہل کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، نشانات راہ انہوں نے واضح کر دیئے تھے، کھائیاں پاٹ دی تھیں، نشیب وفراز برابر کر دیئے تھے، راستہ اب بالکل ہموار اور اس قابل تھا کہ کوئی تیز رفتار شہسوار آئے اور برق رفتاری سے گذر سکے آئی علم وادب کی بدولت دنیا کے ایک بڑے رقبہ پر صدیوں انکی عظمت کا سکہ چلتا رہا اور دنیا نے انہیں جان ودل سے تسلیم کیا۔ پھر شومئ قسمت انہیں نیند آگئی اور وہ سو گئے، سوتے رہے اور زمانہ قیامت کی چال چل گیا[۱]

وَمَافِی الزَّمَانُ یُدُوْمُ حَتّٰی   مضی بالمجد قوم آخرونا

اب جب آنکھ کھلی تو دیکھتے ہیں کہ زمانہ دور، بہت دور جا چکا ہے۔ حکومتیں لٹ گئیں، تلواریں ٹوٹ چکیں اور قلم کی سیاہی سوکھ گئی ہے، اور ان کا سرمایہ حیات انکی زندگی کا حاصل اور انکی تحقیقات کا ثمرہ یورپ کے کتب خانوں میں پہونچ گیا ہے اہل یورپ ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ ان کے راڈار، ان کے میزائل، ان کے سٹلائٹ، انکے راکٹ اور انکے بمبار طیارے، ایک طوفان وحشت وبربریت

۱۔ زمانہ گذرتا رہا گذرتا رہا، یہاں تک کہ یہ مجد وشرف کے غبار سے اٹھے۔

ہے، اور پھر وہی ہمیاد وہی شاہد اور وہی منصف ہیں۔ پوری دنیا صف باندھے کھڑی ہے۔ منھ کھولنے اور لب ہلانے کی کسی کو جسارت نہیں۔ اور یہ لال قلعہ تاج محل اور یہ قطب مینار، ہمارے روشن ماضی کے یہ گرتے کھنڈر اور تہذیب حجازی کے مزار، بس یہی ہمارا کل سرمایہ افتخار ہیں۔ ہم بھول گئے کیوں یہ انقلاب حال ہوا۔ ہمیں یہ یاد نہیں رہا کہ زندگی کے نشیب وفراز اور قوموں کے عروج وزوال میں علم وعمل کا کیا مقام ہے سچ کہا تھا جس نے کہا تھا۔

من اراد الدنیا فعلیہ بالعلم	جو دنیا کو طلب کرے اس کیلئے علم لازم
ومن اراد الآخرۃ فعلیہ	ہے، جو آخرت چاہے علم اسکے لئے بھی
بالعلم، ومن اراد ھما معًا	ضروری ہے اور جو دونوں کا ایک ساتھ
فعلیہ بالعلم۔	طالب ہو اس کیلئے بھی علم سے فرار نہیں۔

علم کی اسی قدر وقیمت کی بنا پر حضرت علیؓ نے یہاں تک کہا تھا۔

مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا صِرْتُ لَهٗ	جس نے مجھے ایک حرف سکھایا میں
عَبْدُهٗ اِنْ شَاءَ بَاعَنِیْ وَاِنْ شَاءَ	اسکا غلام ہو گیا۔ چاہے بیچ دے
اَعْتَقَنِیْ	چاہے آزاد کر دے۔

ہمارے یہ علمی مراکز ہمیں یہی بھولا سبق یاد دلا رہے ہیں۔ جامعۃ الفلاح بھی ان میں ایک ہے جس کا احساس اور دعوی ہے کہ علم کتاب وسنت وہ شاہ کلید ہے جس سے سارے قفل کھل سکتے اور یہی وہ خورشید منور ہے جس کی روشنی میں یہ سفر کامیابی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی تعلیمی ادارہ ہو اسمیں کتب خانوں کی اہمیت سے کیسے انکار ہوگا۔ یہی تو ہماری پہچان تھے جن پر اب یورپ کا قبضہ ہے

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی   جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

یہ کتب خانے تعلیمی اداروں میں علمی وتحقیقی کاموں کی جان اور انکے معیار کو جانچنے اور پرکھنے کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں کہ کتابوں خصوصاً ماخذ ومراجع کے معاملہ میں

انکی کیا حقیقت ہے۔ اہل یورپ کی ترقی میں کتب خانوں کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ان کے کتب خانے جدید ترین سہولیات کے ساتھ اپنی مثال آپ ہیں ہمیں اس اعتراف میں باک نہیں کہ اس پہلو سے ہمارا کتب خانہ ایک غریب کتب خانہ ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس جانب اب پوری توجہ ہے اور جامعہ کی مسجد سے مشرق کی جانب تقریباً تیرہ ہزار مربع فٹ (۱۱۲ X ۱۱۶) پر ایک سہ منزلہ کتب خانہ کی بنیاد پڑ گئی ہے جو انشاء اللہ جدید ترین سہولتوں سے آراستہ ہوگا۔ خدا کرے یہ منصوبہ کامیاب ہو اور ہم عظمت رفتہ کو آواز دے سکیں کہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اعتذار

قارئین کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں، انہیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ اس دور میں اردو پرچوں کا نکالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اور اگر پرچہ علمی، تحقیقی اور سنجیدہ مزاج کا حامل ہو تو معاملہ اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ زیر نظر شمارہ وقت پر تیار ہو چکا تھا لیکن مالیات کی کمی اسے پریس تک پہونچانے میں مانع رہی۔ اب جبکہ سکریٹری انجمن کی طرف سے گرین سگنل ہوا ہے، اسے ضروری حذف و ترمیم کے ساتھ حوالہ پریس کیا جارہا ہے۔

(ادارہ)

اقبال کا تصور فقر

انیس احمد اعظمی (قطر)

اقبال سے پہلے شعر و ادب میں "خودی" کو فخر و غرور اور انانیت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا، لیکن اقبال نے اسے تعمیر شخصیت اور عرفان ذات اور خودشناسی کے معنوں میں استعمال کرکے اسکے مفہوم کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ اسی طرح "عشق" کو اقبال نے سابقہ مطالب و مفاہیم کی حدود سے نکال کر سوز و مستی، جذب و شوق، صدق خلیلؑ اور صبر حسینؓ قرار دے کر اسکے مفہوم میں غیر معمولی وسعت پیدا کر دی۔ اقبال نے اسی طرح فقر کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ فقر کے عام معنی احتیاج، بے نوائی اور افلاس کے ہیں۔ محتاجی اور افلاس کا فقر ایسا ہے جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا اللھم اعوذ بک من الکفر والفقر۔ اے اللہ میں کفر اور محتاجی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضورؐ نے دعا فرمائی ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من شر فتنۃ الفقر۔ اے اللہ میں محتاجی کے فتنے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: کاد الفقر ان یکون کفراً۔ بسا اوقات فقر و محتاجی آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو فقر و احتیاج میں نہ صرف یہ کہ کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جو انسانی زندگی اور تہذیب و تمدن کو برباد کر دینے والی ہے۔ انسان ابتدائے تمدن سے ہی احتیاج اور مفلسی کو ختم کرنے کی جد و جہد کر رہا ہے۔ کیونکہ محتاجی ایک عذاب ہے اسکے ساتھ توہین و تذلیل، قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے نہ ختم ہونے والے سلسلے ہیں۔ یہ احتیاج، مفلسی اور مجبوری ہی ہے جو انسانوں کو جھوٹ بولنے جرائم کرنے اور ظلم کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ انسان کم سکے یا زیر سکے لیکن وہ ہر قیمت پر معاشرے کو فقر و محتاجی سے نجات دلانا چاہتا ہے اور اگر معاشرہ

اس سے نجات نہ بھی پا سکے تو بھی ذاتی طور پر کوئی فرد خود کو یا اپنے متعلقین کو محتاج و مفلس دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ انسانی زندگی کی سرگرمیوں اور اسکی مساعی کا بہت بڑا محور یہی ہے کہ انسان احتیاج اور افلاس سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اور فقر و بے نوائی اسکو قبول نہیں۔ مولانا حالی کے لفظوں میں:

فلاکت جسے کہئے ام الجرائم　　نہیں رہتے ایماں پہ دل جس سے قائم

بناتی ہے انسان کو جو بہائم　　مصلی کی جمعیت جس سے نہ صائم

لیکن اقبال نے فقر کو بالکل مختلف معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ وہ فقر سے مراد لیتے ہیں۔ دولت سے بے نیازی اور استغنا۔ دولت ہو بھی تو دولت سے محبت نہ ہو۔ دولت کی حرص نہ ہو۔ اسکو خرچ کرنے میں تامل نہ ہو۔ دولت کی محبت اقبال کی نظر میں جوہر مردانگی کی موت ہے۔

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری　　کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا　　تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی　　تری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار　　فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

اقبال قوت و عمل اور تسخیر کائنات کو زندگی کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر　　تسخیر مقام رنگ و بو کر

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے　　کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

ان کا تصور حیات جہد مسلسل اور خاراشگافی سے عبارت ہے۔

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ　　جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی　　خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

ضمیر پاک و نگاہ بلند و مستی شوق　　نہ مال و دولت قارون نہ فکر افلاطوں

حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے فقر کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے نبی کریمؐ

ارشادات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں الفقر فخری۔ فقر میرے لئے موجب فخر ہے۔ نیز فرمایا۔ لی حرفتان الفقر والجہاد۔ فقر اور جہاد میرے دو حرفے ہیں۔

اقبال نے اسی تصور فقر کی وضاحت کی ہے اور اسے نہ صرف اختیار کرنے کی دعوت دی ہے بلکہ تبلایا ہے کہ اسی میں مسلمانوں کی قوت کا راز پوشیدہ ہے اسی قوت کے ذریعے وہ دنیا کو مسخر کر سکتا ہے۔

چیست فقر اے بندگان آب و گل　　یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل

فقر کار خویش را سنجیدن است　　بر دو حرف لا الہ پیچیدن است

فقر خیبر گیر با نان شعیر　　بستۂ فتراک او سلطان و میر

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　ما امینیم این متاع مصطفیٰ است

فقر بر کروبیان شبخون زند　　بر نوامیس جہان شبخون زند

بر مقام دیگر اندازد ترا　　از زجاج الماس می سازد ترا

بے پراں را ذوق پروازے دہد　　پشہ را تمکین شہبازے دہد

با سلاطین در فتد مرد فقیر　　از شکوہ بوریا لرزد سریر

اقبال نے مقام فقر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

فقر خواہی؟ از تہی دستی منال　　عافیت در حال و نے در جاہ و مال

صدق و اخلاص و نیاز و سوز و درد　　نے زر و سیم و قماش سرخ و زرد

بگذر از کاؤس و کے اے زندہ مرد　　طوف خود کن گرد ایوانے مگرد

از مقام خویش دور افتادۂ　　کرگسی کم کن کہ شاہیں زادۂ

مرغک اندر شاخسار بوستاں　　بر مراد خویش بندد آشیاں

تو کہ داری فکرت گردوں مسیر　　خویش را از مرغکے کمتر مگیر

دیگر این نہ آسمان تعمیر کن　　بر مراد خود جہان تعمیر کن؛

اقبال نے دور حاضر پر نظر ڈالی تو انہیں کہنا پڑا۔

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری　　رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ　　نہیں ممکن امیری بے فقیری

موجودہ دور مادی تہذیب کے غلبے کا دور ہے۔ ایک غلط خیال ذہنوں پر چھا گیا ہے کہ مادی خوش حالی اور دولت مندی ہمارے مسائل کا حل ہے اور اسی کے ذریعے ہم مطمئن زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن صورت حال کیا ہے؟ عالم اسلام آج مادی خوش حالی اور دولت کی فراوانی کے باوصف اس قوت سے محروم ہے جو قرن اول کے مسلمانوں میں تھی۔ مسلم حکمراں اور امراء دولت اور سامان عیش رکھتے ہیں لیکن کس درجہ کمزوری اور بے چارگی کا شکار ہیں؟ اور کس طرح اپنے وجود و بقا کے لئے اغیار اور اپنے دشمنوں کے چشم و ابرو کی جانب دیکھتے رہتے ہیں؟ خوش حالی نے ان سے تخیل کی قوت چھین لی ہے۔ غیرت و حمیت کا انداز یہ ہے کہ ایک طرف ملت اسلامیہ، مختلف خطوں میں، خاک و خون میں غلطاں ہے، بیکسی و بے چارگی کے دردناک مناظر ہیں اور دولت مند یا دولت مندی کے خواہاں ایک اور ہی فکر میں مبتلا ہیں؛ اور وہ یہ کہ کس طرح سامان عیش و راحت کے انبار لگائے جائیں۔ آخر اس دولت کا اور اس خوش حالی کا فائدہ؟

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے　　تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے　　تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

آج امت مسلمہ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے لیکن ہر جگہ جور و ستم اور ظلم و استبداد کے لرزہ خیز مناظر کی بے بس تماشائی ہے، جب کہ

ستایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے　　وہ کیا تھا زور حیدر، فقر بوذر، صدق سلمانی
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں　　زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی　　وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ

فقر یعنی دولت سے بے نیازی ایک مثبت قوت ہے جو مومن کی خفتہ قوتوں کو بیدار کرتی اور اسے اپنے مقاصد کی تکمیل میں مدد دیتی ہے

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ　　فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد　　فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم　　علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی　　ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

اقبال کو عصر حاضر سے شکایت ہے کہ اس نے مسلمانوں کو فکر معاش میں مبتلا کرکے اور اس میں غیر معمولی طور پر منہمک کرکے، حق و باطل کی اس کشمکش سے یکسر بے تعلق کر دیا ہے جس میں ان کی قوت اور استحکام کا راز ہے۔ انکے یہ اشعار

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے　　قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا　　زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوق خراش
فیض فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا　　جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش

ایک اور مقام پر وہ کس زور و قوت سے اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے　　ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے　　تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا　　تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے
مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے　　روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

اقبال کے نزدیک اگر انسان کو اپنے شرف کا اندازہ ہو اور وہ اعلیٰ مقاصد کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہو۔ حب مال اور خوف مرگ نے اسے اندر سے ختم نہ کر دیا ہو تو وہ اپنی باطنی قوت کے سہارے محیر العقول کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس　　اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ متاع گراں بہا اس کو　　نہ سیم و زر سے محبت ہے نے غم افلاس

اقبال ایسے فقر و درویشی کو جو مسلمان کو راہب بنا دے یا اسے گداگری پر آمادہ کر دے لائق، صد مذمت سمجھتے ہیں۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں گیری

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی، سرمایۂ شبیری

ایک اور مقام پر

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

اقبال نے فقر کیساتھ خودداری اور غیرت مندی کو لازم قرار دیا ہے۔

خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی
ہو صاحب غیرت تو ہے تمہید امیری

ان کا تصور فقر تو زمانے کی شکایت کا بھی روادار نہیں:

جو فقر ہوا تلخی دوراں کا گلہ مند
اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی

طریق اہل دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی

مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ
بندۂ حر کیلئے نشتر تقدیر ہے نوش

اقبال نے جہاں مسلمان کے زوال پر روشنی ڈالی ہے، ان کا پختہ خیال یہ ہے کہ بے زری اور دولت کی کمی اس زوال کا سبب نہیں۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

سبب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اسلام کی قوت کا راز بندۂ مومن کے کردار کی صلابت اور استحکام میں ہے خوش حالی اور دولت مندی نے ہمیشہ اسے کمزور کیا ہے۔ تاریخ کی شہادت یہ رہی ہے کہ عسرت میں جسم کمزور اور عزم توانا ہوتے ہیں۔ تونگری میں جسمانی فربہی اور ایمانی

غربت عام ہو جاتے ہیں۔ پہلی قسم کی غربت سے کبھی کوئی قوم تباہ نہیں ہوئی۔ دوسری قسم کی غربت سے بہت کم قومیں سلامت رہیں۔ کوئی قوم غربت میں نہیں مٹی جو قوم بھی تباہ ہوئی، امارت میں ہوئی" (اندلس کی تلاش میں، مصنف: رفیق ڈوگر)

فقر و سلطانی کے امتزاج سے مضبوط حکومت قائم ہوتی اور صحت مند معاشرہ وجود پذیر ہوتا ہے۔ اسی سے اعلیٰ اقدار فروغ پاتی ہیں۔

سروری در دین ما خدمت گری است
عدل فاروقی و فقر حیدری است

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

اسلام کے دور عروج میں فقر و سلطانی یکجا تھے۔ اسلام کا تصور سلطنت یہی ہے

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد
ضمیرش باقی و فانی بہم کرد

ولیکن الاماں از عصر حاضر
کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

عہد جدید کی سیاست نے سلطنت اور شیطنت کو جس طرح یکجا کیا ہے، اس نے انسان کے شب و روز تلخ کر دیے ہیں اور کرہ ارض کو ظلم و فساد کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ اس سے نجات کی اگر کوئی راہ ہے تو یہ کہ قرآن کی تعلیمات کو زندگی کا محور بنایا جائے اور اسکی ہدایت و رہنمائی میں نظم عالم استوار کیا جائے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جسکو سلطانی

یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی

یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

مستقبل کا اشارہ یہ ہے۔

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقر غیور
کھا گئی روح فرنگی کو ہوائے زر و سیم

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر!

صدر جامعہ مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کا پہلا صدارتی خطاب، جو انہوں نے ۲۷ر جولائی ۱۹۹۵ء کو بعد نماز عصر مسجد جامعہ میں تمام طلبۂ جامعہ سے کیا تھا۔ یہ خطاب چونکہ ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے اور گوناگوں حیثیتوں سے انتہائی اہم ہے، لہٰذا افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اس خطاب کو آڈیو کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی محنت عزیزی رضوان احمد رفیقی متعلم عربی ہفتم، و ضمیر الحسن بدایونی متعلم عربی ششم نے انجام دی ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ اما بعد

میرے انتہائی پیارے عزیزو!

میری آنکھ کے تارو!

میرے دل کے ٹکڑو!

یہ دو دن سے جو مجھ پر صدارت کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے، بلکہ صحیح تر لفظوں میں یوں کہو کہ تمہاری خدمت اور تمہاری تعلیم و تربیت کی مکمل ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے، یہ ذمہ داری اٹھانے کو تو میں نے اٹھا لی ہے، مگر اس کے بعد سے میری طبیعت سخت پریشان ہے۔ میں سوچتا ہوں یہ بھاری ذمہ داری مجھ سے کیسے اٹھائی جائے گی؟!

رات میں اسی فکر میں پریشان تھا کہ ایک امام عادل یا ملک عادل کا یہ فقرہ میرے ذہن میں گونجنے لگا: لو عثرت بغلة بالعراق لرأیتنی مسئولا عنها بین یدی اللہ تبارک وتعالیٰ لم لم اسوّ لها الطریق؟

(اگر عراق میں کوئی خچر بھی ٹھوکر کھاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

مجھ سے باز پرس ہوگی کہ میں نے اس کے لئے راستہ ہموار کیوں نہیں کیا؟ کہ وہ ٹھوکر نہ کھاتا۔)

یہ فقرہ میرے ذہن میں آیا اور میں خوف سے کانپنے لگا۔ میں سوچنے لگا اس ملک عادل یا امام عادل نے ایک خچر کے ٹھوکر کھانے سے اتنا خوف محسوس کیا۔ میرے سامنے جو مسئلہ ہے وہ کسی خچر اور کسی گدھے کا نہیں ہے۔ بلکہ ان طالبان علم دین کا ہے، ان مہمانان رسول ﷺ کا ہے جن کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سایہ ہوتا ہے۔ جن کے لئے فضا میں اڑنے والی چڑیاں، بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں اور دریاؤں میں تیرنے والی مچھلیاں دعاگو ہوتی ہیں۔

ایسے بلند طالع لوگ، ایسے عزیز طلبہ، ان طلبہ کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔

کیا مجھ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ بہت سارے طلبہ جن کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی تھی، میں نے انکے آرام و راحت کا انتظام کیا یا نہیں؟

اگر اس ملک عادل کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اس کی سلطنت میں کوئی خچر بھی ٹھوکر کھاتا ہے تو اس سے جواب طلب کیا جائے گا، تو کیا اس حرم جامعہ کے اندر رہنے والے کسی طالب علم کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مجھ سے سوال نہیں ہوگا!

کیا مجھ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ میں نے انکی رہائش کا بہتر سے بہتر انتظام کیا یا نہیں؟

کیا مجھ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ انکے لئے صفائی ستھرائی اور صحت و نظافت کا مکمل انتظام کیا یا نہیں؟ انکے لئے صحت بخش ماحول فراہم کیا یا نہیں؟ کیا مجھ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ میں نے انکے لئے کھانے کا صحیح انتظام کیا یا نہیں؟ اگر کسی دن چاول کچا رہ جاتا ہے اور اسکی وجہ سے کسی طالب علم کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو کیا اس کے بارے میں مجھ سے پوچھ گچھ نہ ہوگی؟

اگر کھانا صحیح نہیں ملتا ہے، اور اس کی وجہ سے کسی کی صحت خراب ہوتی ہے تو کیا اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ ہوگا!

اسی طرح دوسری بہت سی چیزیں ہیں جو ان کی زندگی کی ضروریات ہیں، وہ ساری ضروریات مہیا کرنے میں اگر مجھ سے کوتاہی ہوتی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں میری پکڑ نہیں ہوگی؟

پھر تھوڑی دیر کیلئے ہم ان باتوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں، کیونکہ یہ ہمارے انتظامات چاہے کتنا ہی دشوار ہوں، ہمارے لئے ناممکن نہیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ذمہ داران جامعہ کے سامنے میں یہ سارے مسائل رکھوں گا تو مجھے انکی طرف سے بھرپور تعاون حاصل ہوگا۔ ذمہ داران جامعہ طلبہ کو یہ ساری سہولتیں بہم پہنچانے یا ان کی آسائش کا انتظام کرنے میں کوئی تردد نہیں کریں گے۔

لیکن اس سے آگے میں سوچتا ہوں ان طلبہ کے سرپرستوں نے، ان کے والدین یا انکے گھر والوں نے انہیں ہمارے حوالہ کیا ہے، کس لئے کیا ہے؟ اس لئے کیا ہے کہ ہم انکی تربیت کا بہتر سے بہتر انتظام کریں۔ ہم انکی اخلاقی ترقی اور روحانی بالیدگی کے لئے جد و جہد کریں۔ انکو عمدہ آداب و اخلاق سے آراستہ کریں۔

اب اگر ہمارے ان بچوں، ہمارے درمیان رہنے والے ان عزیزوں کی عادتیں بگڑتی ہیں تو کیا ہم سے سوال نہ ہوگا؟

اگر ہمارا کوئی طالب علم ہمارے درمیان رہتے ہوئے نمازوں کا اہتمام نہیں کرتا، تو اس کے بارے میں ہم سے سوال نہیں ہوگا؟ اگر کوئی طالب علم کسی دوسرے طالب علم کو نقصان پہنچاتا ہے، اس کے کسی سامان کی چوری کرتا ہے، اس کو اذیت دیتا ہے یا اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے اور اسکی دل آزاری کرتا ہے تو کیا اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ ہوگا؟ اور کیا میں اپنے رب کے ہاں بازپرس سے بچ جاؤں گا؟

یہ کونا گوں اندیشے ہیں جو آج مجھے پریشان کر رہے ہیں۔

میرے انتہائی عزیز بچو!

جہاں تک تمہاری رہائش اور تمہاری آسائش سے متعلق انتظامات کا مسئلہ ہے، میں سمجھتا ہوں یہ مسئلہ اگرچہ موجودہ حالات میں آسان نہیں ہے تاہم ذمہ داران جامعہ سے ہم گزارش کریں گے، ان سے منت کریں گے کہ ہمارے بچوں کی اچھی رہائش اور انکی آسائش کا بہتر انتظام کیا جائے، انہیں اگر کھانے پینے کی تکلیف ہے تو وہ تکلیف دور کی جائے، اگر وہ مریض ہیں اور انہیں علاج کی ضرورت ہے تو ان کیلئے بہتر سے بہتر علاج فراہم کیا جائے۔ میں ان سے یہ باتیں کہوں گا، اور مجھے یقین ہے ان میں سے کسی کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا۔

لیکن اصل چیز جو ہمیں فکرمند کئے ہوئے ہے، اور جس کے سلسلے میں ہم اپنے آپکو بہت حد تک بے بس پاتے ہیں، وہ تمہاری ذہنی اور اخلاقی تربیت کا مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے یہ نہ میرے بس میں ہے نہ ذمہ داران جامعہ کے بس میں کہ ہم تمہارے دل و دماغ، تمہارے جذبات و رجحانات، تمہارے طور طریق اور تمہاری طبیعت و مزاج کو بدل دیں، اگر خود تم اسکے لئے تیار نہ ہو۔ اگر تم لوگ یہاں کے ماحول کو بہتر اور خوشگوار بنانے میں ہماری معاونت نہیں کرتے تو بھلا اس ماحول کو بہتر کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

اگر خود تم اس کیلئے تیار نہیں ہو کہ یہاں ایک بہترین تعلیمی ماحول ہو، اگر خود تم یہ فیصلہ نہیں کرتے کہ یہاں جس مقصد کیلئے آئے ہو یا بھیجے گئے ہو شب و روز تم اسی مقصد کے حصول کیلئے سرگرم رہو گے تو کسی کے دل کو بھلا کیسے بدلا جا سکتا ہے؟

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے پڑھیں لکھیں۔ وہ اپنے اوقات کا صحیح استعمال کریں مگر تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے تو ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں؟

اگر تم سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم اچھے سے اچھے کردار کے حامل بنو، تم کسی بدی کے قریب نہ جاؤ، آپس میں کبھی گالی گفتہ نہ کرو، لڑائی جھگڑے اور شور و شر سے پرہیز کرو، کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ اور کسی کا دل نہ دکھاؤ، اگر تم اس میں

ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے، ایک بہترین روح پرور اخلاقی ماحول فراہم کرنے میں ہماری مدد نہیں کرتے، تو ہمارے پاس بھلا اس کا کیا علاج ہے؟ کسی اور کے پاس بھی اس کا کیا علاج ہے؟ ناظم صاحب ہوں یا مجالس جامعہ ہوں، کسی کے پاس بھی اس کا کیا علاج ہے؟

ہم سمجھتے ہیں یہ سارے عزیز طلبہ جو ہمارے روبرو بیٹھے ہوئے ہیں، یہ ایک امانت ہیں۔ ہم انہیں قوم کی قیمتی امانت سمجھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً ہم سے پوچھے گا کہ یہ قیمتی امانت جو تمہارے حوالے کی گئی تھی، اسے بنانے سنوارنے اسکے اندر اپنے مقصد کا شعور پیدا کرنے، اور جن تمناؤں کے ساتھ انکے والدین نے حوالے کیا تھا ان تمناؤں کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے تم نے کیا کچھ کیا؟

یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ ایک زبردست خطرہ ہے جو ہمیں درپیش ہے اور ہمیں رات دن پریشان کئے ہوئے ہے۔

میرے انتہائی پیارے عزیزو! صدارت کا یہ بار گراں اٹھائے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں۔ ابھی شروع شروع کا معاملہ ہے۔ کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ میں تمہاری طرف سے یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ تم اس ذمہ داری کو اٹھانے میں میرا ساتھ دو گے یا نہیں؟ میں تمہاری طرف سے یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ جامعہ کی طرف سے تمہیں جو ضابطے دیئے گئے ہیں، یا آئندہ دیئے جائیں گے، ان تمام ضابطوں کی پابندی کرو گے یا نہیں؟ اگر میں تم سے یہ خواہش کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے اور سعادتمند طالب علم بنو۔ ایک ہوشمند اور باشعور طالب علم کی طرح اپنے شب و روز گزارو، اپنے قیمتی اوقات کی قدر و قیمت کو پہچانو، اپنے لمحات زندگی کو ضائع نہ کرو، تو تم میری اس پکار پر لبیک کہو گے یا نہیں؟ اگر میں تم لوگوں سے کہتا ہوں، نیک بنو، نمازی بنو، امانتدار اور دیانتدار بنو، اتنے خوش اخلاق اور باکردار بنو کہ جامعہ کی نیک نامی ہو اور اسکی شہرت کو چار چاند لگے۔ جامعہ کے حدود میں قدم رکھنے والا کوئی بھی شخص

یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے کہ وہ ایک دوسرے ہی ماحول میں پہنچ گیا ہے، اگر میں یہ کہتا ہوں تو کیا تم میری اس خواہش کا احترام کرو گے؟

اس وقت تو کیفیت یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں جامعہ کے اندر کی دنیا اور باہر کی دنیا یکساں ہے، دونوں میں کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں، جامعہ کے بچے ٹوپی کے عادی نہیں، ان کے سروں پر ٹوپیاں نہیں رہتیں، وہ برہنہ سر بازاروں میں گھومتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جامعہ کے بچے داڑھیاں رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے جو بچے عالمیت یا فضیلت میں پڑھ رہے ہوتے ہیں، یا جو عالمیت یا فضیلت کی اسناد لے کر یہاں سے چلے جاتے ہیں، وہ تک بے تکلف داڑھیاں مونڈتے ہیں۔

میرے پیارے عزیزو! تم بتاؤ یہ صورت حال ہمارے لئے کتنی دردناک ہے؛ کتنی یاس انگیز اور کس قدر حسرت انگیز ہے! آج تم صاف صاف سن لو، میں اس جامعہ میں یہ صورت حال کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

میں تو یہ چاہوں گا کہ یہ جامعہ صحیح معنوں میں جامعۃ الفلاح بنے۔ یعنی یہ فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن ہو۔ یہاں ایک بہترین اور قابل رشک دینی ماحول تیار ہو۔ یہ جامعہ جن بلند مقاصد کیلئے قائم کی گئی ہے، وہ مقاصد پورے ہوں۔ اور جو پرسکون علمی فضا یہاں درکار ہے وہ علمی فضا یہاں محسوس ہو۔

لیکن اگر یہ ماحول یہاں پیدا نہیں ہوتا، اگر یہاں اسلامی اخلاق، اسلامی کردار اور اسلامی تہذیب کے روح پرور مناظر نظر نہیں آتے، اور نہ انکے لئے کوئی تڑپ اور کوئی امنگ نظر آتی ہے، تو مجھے اپنے بارے میں سوچنا ہوگا کہ مجھے یہ خطرہ مول لینا چاہئے یا نہیں، اس لئے کہ اتنے سارے بچوں کا حساب دینا، اللہ تعالیٰ کی جناب میں اتنے سارے طلبہ کے نیک و بد کا حساب دینا میرے لئے کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ میری تو راتوں کی نیندیں اڑ جائیں گی اور میں بالکل ضائع ہوکر رہ جاؤں گا، اس لئے کہ اتنے سارے لوگوں کا غم اٹھانا میرے بس میں نہیں اگر تم

لوگ بھی میرے ساتھ اس غم میں شریک نہیں ہوتے۔ میرے ساتھ پورا پورا تعاون نہیں کرتے، اور اس بات کا پختہ عہد نہیں کرتے کہ تم ہماری ہر پکار پر لبیک کہو گے۔ ہماری ہر آواز کیلئے ہمہ تن گوش رہو گے، اور کوئی بھی ایسا مطالبہ جو خود تمہارے فائدے کے لئے کیا جائے گا، اسے ٹھکراؤ گے نہیں۔

ظاہر ہے تم لوگوں سے کیا مطالبہ کیا جائیگا؟ تم لوگوں سے کوئی ایسا مطالبہ تو کیا نہیں جائیگا، جو خود تمہارے مفاد میں نہ ہو۔

میرے عزیزو! تم لوگوں سے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ تم پڑھو لکھو، ایک اچھے اور باشعور طالب علم بنو، تو اس کا فائدہ کس کو حاصل ہو گا، مجھے یا تم لوگوں کو؟ ظاہر ہے اس سے تمہارا ہی مستقبل تابناک ہو گا۔ تمہارے ہی لئے ترقی کی راہیں کھلیں گی۔ دنیا کو تم سے جو توقعات ہیں وہ توقعات پوری ہوں گی۔

لوگ کہتے ہیں آج ملت کے یہ ادارے، یہ تمام اسلامی ادارے بالکل بانجھ ہو گئے ہیں، یہ افراد تیار نہیں کر رہے ہیں، یہ مردم خیزی کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

میرے پیارے عزیزو! اس قسم کی باتیں سن کر مجھے کتنا دکھ ہوتا ہے میں اسکا اظہار کیسے کروں۔ میں چاہتا ہوں اگر تمام اداروں سے ہم اس الزام کو نہیں دھو سکتے تو کم از کم جامعۃ الفلاح سے یہ الزام دھو دیں۔

ہم چاہتے ہیں ہمارے اس ادارے سے افراد ہی نہیں شخصیات تیار ہوں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر میں یہ کہوں گا کہ ہمارے اس فلاح سے شخصیات ہی نہیں اساطین علم اور اساتذۂ فن تیار ہوں۔

اگر دار العلوم دیوبند سے کبھی شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور فخر المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری جیسی شخصیات تیار ہوئیں۔ اگر دار العلوم ندوۃ العلماء سے کسی دور میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا ابو الحسن علی ندوی تیار ہوئے، اگر مدرسۃ الاصلاح سے کسی دور

میں مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا صدر الدین اصلاحی تیار ہوئے تو ہم چاہتے ہیں ہماری اس جامعہ سے بھی نہ صرف ویسی شخصیات بلکہ ان سے بھی بلند و بالا اور ان سے بھی زیادہ قد آور شخصیات تیار ہوں۔

میرے پیارے عزیزو! شاید تمہیں میری ان باتوں پر کچھ تعجب ہو رہا ہو، مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اگر تمہاری نیتیں نیک اور حوصلے بلند ہوں۔ اگر تمہارے اندر مقصد کی دھن اور مقصد سے عشق ہو۔ اگر تم ذہنی طور سے اس کے لئے تیار رہو کہ تم سے جو بھی مطالبے کئے جائیں وہ مطالبے پورے کرو، تمہاری اخلاقی و روحانی تربیت کے لئے جو ضابطے بھی بنائے جائیں، ان ضابطوں کی پابندی کرو، تمہاری علمی ترقی کیلئے شب و روز کے جو پروگرام بھی دیئے جائیں، ان پروگراموں پر عمل کرو۔ اگر تم اس کیلئے تیار ہو جاؤ تو ہم سمجھتے ہیں ہمارے درمیان سے اس قسم کی شخصیات کا پیدا ہونا کچھ بھی ناممکن نہیں۔

میرے پیارے عزیزو! یقین مانو، اللہ رب العزت کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، نہ آج ہے نہ پہلے کبھی رہی ہے۔ اگر پہلے ایک سے ایک اساطین علم و فن پیدا ہوتے رہے ہیں، اگر پہلے ائمہ علم و دین پیدا ہوتے رہے ہیں، اگر پہلے قائدین با تمکین پیدا ہوتے رہے ہیں، تو آج بھی وہ اساطین، وہ علماء اور وہ قائدین پیدا ہو سکتے ہیں یقیناً پیدا ہو سکتے ہیں۔

میرے عزیزو! اگر آج اس طرح کے بلند پایہ لوگ ہمارے اداروں سے نہیں پیدا ہو رہے ہیں، تو اسکی وجہ بس یہ ہے کہ ہمارے اندر وہ جذبہ نہیں رہا وہ حوصلہ اور وہ ولولہ نہیں رہا، وہ اخلاص اور وہ فکر بلند نہیں رہا۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں رہا۔ اپنے گراں قدر لمحات کی قدر و قیمت کا احساس نہیں رہا ہمیں یہ احساس نہیں رہا کہ ہم کیا ہیں۔ رب کائنات نے ہمیں کس لئے بھیجا ہے، اور اس نے ہم پر کتنی عظیم ذمہ داری ڈالی ہے۔ پھر اسکے بارے میں ہم سے کتنا سخت حساب

ہوگا، کتنا لمبا سوال جواب ہوگا، کیسی شدید باز پرس ہوگی۔ اس کا ہمیں بالکل احساس نہیں رہا۔

میرے پیارے عزیزو! آج میں جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لوگے یا نہیں؟ آج مجھے صاف صاف بتاؤ، تم میرا ساتھ دوگے یا نہیں؟ بولو میرے عزیزو! بولو، آج میں تمہارا بالکل واضح اور صریح جواب سننا چاہتا ہوں۔

(ایک ساتھ بہت سی آوازیں: انشاء اللہ)

مجھے تمہارا تعاون حاصل ہوگا یا نہیں؟ (بہت سی آوازیں، ضرور حاصل ہوگا) تمہیں ہم جو ضابطے یا جو پروگرام دیں گے، ان پر عمل ہوگا یا نہیں؟

(بہت سی آوازیں: ضرور عمل ہوگا، ضرور عمل ہوگا)

تم اپنے اوقات کا صحیح استعمال کروگے یا نہیں؟ (بہت سی آوازیں، ضرور کریں گے) تم یہاں ایک روح پرور دینی ماحول پیدا کروگے یا نہیں؟ (بہت سی آوازیں، ضرور کریں گے)

میرے عزیزو! اگر تم ان سب باتوں کیلئے تیار ہو۔ اگر تم ہمارے ساتھ قدم بقدم چلنے کیلئے تیار ہو، تو یہ ہمارے لئے بہت ہی اطمینان کی بات ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں انشاء اللہ یہ مجلس ہمارے لئے بہت ہی خوش آئند اور بہت ہی موجب خیر و برکت ہوگی۔ اور آج سے جامعہ کی ایک نئی تاریخ رقم ہوگی آج سے جامعہ کا ماحول تبدیل ہو جائے گا۔ اور خدا نے چاہا تو پورے علاقہ میں، نہ صرف پورے علاقے اور پورے ضلع میں، بلکہ پورے ملک میں یہ جامعہ بلندی اور کامرانی کا ایک نشان سمجھی جائے گی۔ علمی ترقی اور علمی بیداری کی ایک علامت بن جائے گی۔ اور اب یہاں سے انشاء اللہ نہایت ہی قد آور اور بلند پایہ شخصیات پیدا ہوں گی۔

میرے عزیزو! اگر تم نے صدق دل سے یہ عہد اور یہ وعدہ کیا ہے، تو اس سے ہمیں بڑا اطمینان ہے۔ اور اب میں تم لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم اس جامعہ کا احترام کرو۔ اصولی طور سے تم یہ بات طے کر لو کہ تمہیں اس جامعہ کا احترام کرنا ہے تمہارے پیشرووں نے جامعہ کو جس بلندی تک پہنچایا ہے جامعہ کو اس سے نیچے نہیں آنے دینا ہے۔ تم سے پہلے جو طلبہ یہاں رہے ہیں، ان میں خاصی تعداد ایسی رہی ہے جنہوں نے جامعہ کی بڑی اچھی نمائندگی کی ہے۔ اور جامعہ کی نیک نامی میں اضافہ کیا ہے، انہی کے دم سے، انہی کی نیک سرگرمیوں سے، انہی کی تعمیری جد و جہد اور انہی کی بہترین صلاحیتوں سے یہ جامعہ صرف ضلع اعظم گڑھ کے اندر نہیں بلکہ پورے ملک اور پورے برصغیر میں معروف ہو چکی ہے۔ وہ لوگ جہاں بھی رہے انہوں نے حسن اخلاق کی خوشبو پھیلائی۔ انکی ذات سے علم دین کی شمعیں روشن ہوئیں۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ جہاں سے فیض یاب ہوئے ہیں وہ کوئی بہت ہی معیاری درسگاہ ہے۔ وہ کوئی بہت ہی اعلیٰ اور منفرد نوعیت کا تعلیمی ادارہ ہے اس طرح اس جامعہ کی روز افزوں شہرت ہوئی۔ اور اسکی نیک نامی کو چار چاند لگے۔

ہاں تو تم اب اس بات کی کوشش کرو کہ اپنے پیشرووں کے سچے جانشین بنو۔ اپنے اچھے اسلاف کے اچھے اخلاف بنو۔ توفیق الٰہی شامل حال رہی تو تمہاری ذات سے جامعہ کی نیک نامی میں اور اضافہ ہوگا۔ اس میں کمی آنے کا کوئی سوال نہ ہوگا۔

اسی طرح تم اس جامعہ کو ایک حرم سمجھو۔ میرے عزیزو! یہ جامعہ کوئی چہار دیواری نہیں ہے، جس طرح سے بہت سی باؤنڈریاں اور چہار دیواریاں ہوا کرتی ہیں۔ نہیں، بلکہ یہ ایک حرم ہے۔ اسکو تم بالکل حرم سمجھو۔ اس حرم کے اندر آپس میں گالی گفتار کرنا، کسی کی چوری کرنا، کسی کو تکلیف پہنچانا، کسی پر ہاتھ اٹھانا، کسی کا دل دکھانا، کسی کو نقصان پہنچانا، اس طرح کی تمام باتیں حرام ہیں۔ بالکل حرام ہیں۔ یہ بات طے کر لو کہ آج سے اس جامعہ کا ماحول انتہائی پر امن ہوگا۔ انتہائی دین دارانہ اور مومنانہ

ہوگا، اس طرح کا ہوگا کہ ایک شخص اگر اپنی اٹیچی کھلی چھوڑ کر چلا جائے۔ پھر چار دن بعد واپس آئے تو اسکی کوئی چیز ادھر سے ادھر نہ ہوئی ہوگی اسکے سامان میں کوئی کمی نہ ہوئی ہوگی۔

میرے عزیزو! تم یہ بات طے کرلو کہ آج سے تمہارا کوئی ساتھی تم سے کوئی خطرہ نہ محسوس کرے گا۔ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ تم اس کے مخلص اور ہمدرد ہو۔ اور تم اسے ہر طرح سے عزت دینی چاہتے ہو۔

تم اپنے بڑوں کا احترام کرو۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ تمہارے اس ماحول کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہونی چاہئے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک تنبیہ ہے، اور یہ کوئی معمولی تنبیہ نہیں ہے: من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ ہمارے دین کا انتہائی بنیادی اصول ہے۔ اس کے بغیر کوئی مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں آہی نہیں سکتا۔ تم یہ اصول ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ جو تم سے بڑے ہیں ان کا ادب کرو۔ اور جو چھوٹے ہیں انکے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ کرو۔

اسی طرح تمہارے یہ اساتذہ ہیں۔ ان بزرگ اساتذہ سے تمہیں فیض حاصل ہو رہا ہے۔ ان سے تمہیں علم کی دولت مل رہی ہے۔ یہ تمہیں بنانے سنوارنے اور علم و اخلاق سے آراستہ کرنے کیلئے فکرمند رہتے ہیں۔ یہ ہر طرح سے عزت و توقیر کے مستحق ہیں۔ تم دل و جان سے ان کا احترام کرو۔ اور انکی نیک دعاؤں کو اپنے لئے ترقی کا زینہ سمجھو۔

میرے عزیزو! یہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ ایک اچھا اور مہربان استاد بالکل باپ کے برابر ہوتا ہے۔ وہ استاذ جو تمہاری علمی ترقی اور روحانی و اخلاقی تربیت کیلئے کوشاں ہو، اس کا رتبہ کبھی باپ سے کم نہیں ہوسکتا۔

بیٹے پر باپ کا حق اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ اس نے بیٹے کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری اٹھائی، لیکن اگر کسی بچے کو پال پوس کر ویسے ہی چھوڑ دیا جائے تو وہی بچہ کبھی شیطان بن جاتا ہے، کبھی جانور بن جاتا ہے۔ اسمیں اور کسی چوپائے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

یہ مہربان اساتذہ کا ہی فیض ہوتا ہے کہ وہ ایک کندۂ ناتراش کو ایک بہترین انسان، پڑھا لکھا انسان، دین دار انسان، عالم فاضل انسان بنا دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فیض ہے تمہارے اساتذۂ کرام کا۔ تم اپنے اساتذہ کے احسان شناس بنو، انکی عزت و توقیر کرو۔ محض ظاہری طور سے نہیں، بلکہ دل و جان سے ان کی توقیر کرو۔ جہاں کہیں تم انہیں دیکھو، خوشی محسوس کرو۔ اگر تم اپنے گھروں سے جامعہ آؤ تو سب سے پہلے اپنے مہربان اساتذہ سے ملنے کی کوشش کرو۔ انکی دعائیں حاصل کرو۔ اگر تم جامعہ سے اپنے گھروں کو جاؤ تو ان سے مل کر جاؤ۔ انکی قیمتی دعائیں لئے بغیر نہ جاؤ۔

میرے عزیزو! اپنے اساتذہ کی عزت کرنا ہمیشہ سے ہمارے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں کبھی اس تحقیق کی ضرورت پیش آئی کہ کتا بالغ کب ہوتا ہے؟ ایک عام قسم کے آدمی نے انہیں بتایا کہ کتے کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرنے لگے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی جو امام صاحب کو ایک عامی سے معلوم ہوئی تھی۔ سوچو یہ بھی کوئی بات تھی، یا یہ بھی کوئی علم تھا۔ لیکن تذکروں میں ملتا ہے کہ امام صاحب اسکے بعد سے اس شخص کا اسی طرح ادب کرتے تھے جیسے اپنے کسی استاد کا کیا جاتا ہے۔

میرے عزیزو! یہ ہوتی ہے علم کی قدر و قیمت۔ علم کی قدر و عظمت کا تمہیں جتنا زیادہ احساس ہوگا، اسی قدر اپنے بزرگ اور مشفق اساتذہ کی

عظمت اور ان کی عزت کا احساس ہوگا۔ اپنے اساتذہ کا دل و جان سے احترام کرو۔ ان سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

یہاں بہت سارے لوگ تمہیں اکٹھا مل گئے ہیں۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے، اس وقت تمہیں احساس ہوگا کہ تم سے کتنی بڑی دولت چھن گئی۔ تمہیں کوئی بھی بات پوچھنی یا سمجھنی ہوگی تو تم پریشان ہوگے کہ کہاں جائیں اور کس سے اپنی تشنگی بجھائیں؟ اس وقت نہ تو تمہیں یہ اساتذہ میسر ہوں گے اور نہ اس پایہ کے علماء دستیاب ہوں گے۔ تمہیں شاید آج کے قحط الرجال کا اندازہ نہیں ہے۔ جلد ہی تمہیں اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

میرے پیارے عزیزو! اپنے ان اساتذہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔

اسی طرح کچھ لوگ اپنے اوقات اور اپنی صلاحیتوں کی زبردست قربانی دیکر اس جامعہ کا نظم و نسق چلا رہے ہیں۔ جنکو ہم ذمہ داران جامعہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ ذمہ داران جامعہ جو اس جامعہ کیلئے ہر طرح کے انتظامات کرتے ہیں۔ اس کیلئے مالیات کی فراہمی کرتے ہیں، اسکی تعمیر و ترقی کیلئے ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں اور جو بھی تمہاری ضروریات ہیں، انکی فراہمی کیلئے رات دن ایک کئے رہتے ہیں۔ انتہائی مخلص لوگ ہیں یہ۔ پورے اخلاص کے ساتھ یہ لوگ اس جامعہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور اس کے پیچھے انکی کوئی غرض نہیں سوائے رضائے الٰہی کے۔ ان ذمہ داران جامعہ کا بھی تم پورا پورا احترام کرو۔

ہمارے ہاں یہ بات بہت عام ہے کہ جسکو چاہتے ہیں ادھیڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک ہی سانس میں کہہ ڈالتے ہیں، فلاں ایسا ہے، فلاں ویسا ہے۔ یہ ایسا ہے اور وہ ایسا ہے۔ نہایت لاپرواہی کے ساتھ ہم ایسے ایسے الفاظ اور جملے استعمال کر جاتے ہیں جو کسی طرح ہمارے شایان شان نہیں ہوتے۔ یہ تیر و نشتر اور یہ

دشنہ و خنجر ہم ذمہ داران جامعہ پر بھی چلاتے ہیں اور اساتذۂ جامعہ پر بھی۔

میرے پیارے عزیزو! اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو۔ اپنی زبانوں کو لگام دو۔ زبانوں کو صاف ستھری رکھو۔ اور صاف ستھری رکھو گے تو اس کا فائدہ خود تمہیں حاصل ہوگا۔ اگر زبان آج بے لگام ہو جاتی ہے تو کل بھی بے لگام رہے گی۔ اگر آج یہ ذمہ داران جامعہ اور اساتذہ جامعہ کے سلسلے میں بے لگام ہوتی ہے تو کل اپنے ماں باپ کے لئے بے لگام ہوگی۔ ہر بڑے چھوٹے کیلئے بے لگام ہوگی۔ اور پھر یہی زبان تمہیں رسوا کرکے چھوڑے گی۔ اس لئے کہ عادتیں جب بگڑ جاتی ہیں تو ہر جگہ وہ بگڑی ہوئی ہی رہتی ہیں۔ ہر جگہ وہ اسی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔

تم ذمہ داران جامعہ کا احترام کرو۔ نظم جامعہ پر پورا اعتماد رکھو۔ اور جو ضابطہ یا جو اصول یا جو پروگرام دیا جائے، اس کا خیال رکھو۔ اس کے سلسلے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرو۔

میرے عزیزو! تمہیں بہت سارے لوگ مختلف انداز سے بہکانا بھی چاہیں گے۔ طرح طرح سے تمہارے ذہنوں کو خراب کرنا چاہیں گے۔ وہ کہیں گے تمہارا صدر ایسا اور ویسا ہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں کریں گے، جن سے تم بدگمان ہو جاؤ، اور ہمارے اوپر سے تمہارا اعتماد اٹھ جائے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں، اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تم میں سے ایک ایک بچے سے محبت ہے۔ بالکل ویسی ہی محبت ہے جیسی کسی دردمند باپ کو اپنے لائق بیٹے سے ہوا کرتی ہے۔ میں تمہارا انتہائی خیرخواہ ہوں۔ انتہائی مشفق ہوں۔ ایک ایک بچے کے سلسلے میں بڑی اچھی تمنائیں رکھتا ہوں۔ ایک ایک کے مستقبل کو تابناک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ ہمارا ہر ہر بچہ مستقبل کا معمار بنے۔ وہ اس ملت کا قائد اور اس قوم کا رہنما بنے۔

میرے پیارے عزیزو! یقین مانو ہم تمہارے بارے میں بڑی اونچی تمنائیں رکھتے ہیں۔

اتنی اونچی تمنائیں کہ تم خود اپنے بارے میں شاید وہ تمنائیں نہیں رکھتے۔ تم اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اس وقت جو شخص تم سے مخاطب ہے، وہ تمہارا انتہائی دردمند ہے۔ وہ تم سے واقعی محبت کرنے والا ہے۔ تم سامنے ہوتے ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دور ہوتے ہو تو تمہارے لئے دعائیں کرتا ہے اور اب جب کہ اس کے اوپر تمہاری تعلیم و تربیت کی مکمل ذمہ داری آ گئی ہے، وہ تمہارے لئے سراپا درد اور سراپا دعا ہے۔ خدایا! اگر تیری توفیق شامل حال نہیں رہی اور تو نے ہمارے ان بچوں کے دلوں کی رہنمائی نہیں فرمائی تو ہم اس عظیم ذمہ داری سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

میرے عزیزو! تم ان باتوں کو ہمیشہ ذہن میں رکھو۔ اور اگر کوئی تمہیں غلط رخ دینا چاہے تو کبھی بھی اس کے بہکاوے میں مت آؤ۔ تم اس بات کو ہرگز نہ بھولو کہ ہر جگہ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ شیطان مختلف بھیسوں میں سامنے آتا اور مختلف شکلوں میں شبخون مارتا ہے۔ وہ کبھی بھی نیکی کو پسند نہیں کرتا۔ کوئی بھی نیک کام ہو رہا ہو، وہ اسے ناکام کرنے کیلئے بے چین ہو جاتا ہے۔

تم اس بات کو گرہ دے لو کہ اس مجلس میں تم نے جو واضح طور پر عہد کیا ہے اسی عہد پر ہمیشہ قائم رہو گے۔ اور کسی بھی بہکانے والے کے بہکاوے میں نہیں آؤ گے یقین رکھو تمہارے آرام و آسائش اور تمہاری ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ ہم اس بات کا انتظار نہیں کریں گے کہ تم ہمارے پاس اپنی ضروریات لے کر آؤ۔ ہم خود تمہارے پاس پہونچ کر معلوم کریں گے کہ تمہاری ضروریات کیا ہیں؟ اگر تم بیمار ہو تو ہم اس کا انتظار نہیں کریں گے کہ تم آ کر ہمیں اپنی بیماری کی اطلاع دو اور ہم سے دوا مانگو، ہم انشاء اللہ خود سے تمہارے کمروں میں حاضر ہوں گے تمہاری مزاج پرسی اور تمہاری تیمارداری کریں گے۔ جہاں تک ممکن ہوا تمہاری ایک ایک ضرورت کا خیال رکھیں گے۔ تمہیں ہر طرح سے خوش اور مطمئن رکھنے کی کوشش کریں گے۔ ہم اپنے طور سے خود یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ تمہاری کیا ضروریات ہیں؟ جامعہ میں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا چیزیں ہونی چاہئیں اور وہ نہیں ہیں اور کیا چیزیں نہیں ہونی چاہئیں اور وہ ہو رہی ہیں۔

یہ ہمارا فرض ہے جس کے سلسلے میں اگر ہم نے کوتاہی کی تو یہ ہمارا ناقابل معافی جرم ہوگا۔

جس طرح اس ملک عادل نے یہ کہا تھا کہ اگر ہماری سلطنت میں کوئی خچر بھی ٹھوکر کھاتا ہے تو مجھ سے پوچھا جائیگا کہ تم نے اس کیلئے راستہ ہموار کیوں نہیں کیا تھا، کہ وہ ٹھوکر نہ کھاتا، اسی طرح میں بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایک ایک بچے کی ضروریات معلوم کروں، لیکن اگر کبھی مجھ سے کوتاہی ہو جائے، اور ایسا ہونا عین ممکن ہے، اس لئے کہ میں بھی بشر ہوں اور بشری کمزوریاں میرے ساتھ ہیں، میرے وسائل انتہائی محدود ہیں۔ ہو سکتا ہے ایک بچہ بیمار پڑے اور میں اس تک نہ پہونچ سکوں۔ ہو سکتا ہے کسی بچے کو کوئی تکلیف ہو اور میں اس سے بے خبر رہ جاؤں تو خود بھی میرے پاس آ کر مجھے ان باتوں کی اطلاع دو۔ جو شکایت ہو اس شکایت سے مجھے باخبر کرو۔ جو ضروریات ہوں ان ضروریات سے مجھے آگاہ کرو۔ انشاء اللہ ہم تمہارے لئے سراپا محبت اور سراپا اخلاص ہوں گے۔ اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ تمہارے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

میرے عزیزو! تمہیں کبھی ہم سے لڑنا نہیں پڑے گا۔ کوئی مظاہرہ اور کوئی احتجاج نہیں کرنا پڑے گا۔ اپنے حقوق کیلئے کشمکش نہیں کرنی پڑے گی۔ اس کے برعکس اگر تمہارے حقوق کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی تو ہمارا دل خود تڑپے گا، اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ ہم سے تمہارے حقوق کا حساب لیا جائے گا۔

میرے عزیزو! یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھو اور مضبوطی کے ساتھ اس

کا تہیہ کرو کہ تمہاری ساری طاقتیں جو اب تک فضولیات میں صرف ہوتی رہیں اب مکمل طور سے علمی ترقی اور علمی تیاریوں میں صرف ہوں گی۔ تمہارے اندر یہ فکر پیدا ہونی چاہیے کہ یہاں جو قیمتی اوقات تمہیں حاصل ہیں ان اوقات کو زیادہ سے زیادہ مفید بناؤ۔ تم اپنی علمی ترقی، روحانی نشو ونما اور اخلاقی تربیت کے لئے سرگرم ہوجاؤ۔ بہتر سے بہتر اخلاق کے حامل ہو، علماء وفضلاء کی جو سیرت ہونی چاہیے اس سیرت سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ تم ایسے کردار کے مالک ہو کہ دیکھنے والے تم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

چند ہی دنوں بعد جامعہ میں ششماہی چھٹی ہو جائیگی۔ تم اپنے اپنے گھروں کو جاؤ گے وہاں کے لوگ یہ محسوس کریں کہ یہ بچے دوسرے بچوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ احساس لوگوں میں اتنی شدت سے پیدا ہو کہ وہ تم سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائیں کہ بھئی تم کہاں رہتے ہو؟ کہاں پڑھتے ہو؟ کیا پڑھتے ہو!

تم انہیں بتاؤ کہ ہم جامعۃ الفلاح کے طالب علم ہیں۔ اس جامعۃ الفلاح کے جو ایک اعلیٰ تعلیمی مرکز اور ایک قابل اعتماد تربیت گاہ ہے۔ جو اپنی نوعیت کا بالکل منفرد ادارہ ہے جس کا مقصد ہے ایسی نسلیں تیار کرنا جن کے اندر دین سے محبت اور اقامت دین کا سچا جذبہ ہو۔

میرے پیارے عزیزو! یہ چند باتیں ہیں جو اس موقع پر تم سے کہنی تھیں۔ ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے شب و روز میں برکت دے۔ اور تم سے وہ کام لے جو وہ اپنے پسندیدہ اور باتوفیق بندوں سے لیا کرتا ہے۔ ہمیشہ اپنے عزائم کو بلند رکھو۔ اور شاعر اسلام کی اس وصیت کو کبھی نہ بھولو ؎

جو سر ہے تو عزم بلند پیدا کر
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم اجمعین واستغفروہ انہ ھو الغفور الرحیم

قلم ایک امانت!

کے۔ ایم۔ آصف اعظمی

موجودہ دور پریس اور میڈیا کا دور ہے۔ اقامت دین اور احیائے اسلام کا جب بھی کوئی بیڑا اٹھائے گا اس کے لئے لازم ہوگا کہ وہ ان موجودہ ذرائع سے کام لے، ورنہ اسکی دعوت صدا بصحرا ہوگی اور اسکی کامیابی بالکل غیر یقینی ہوگی۔

مسلم علماء اور مسلم دانشور جہاد کے اس مفید اور پائدار پہلو سے غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ بے شمار رسائل اور مجلات نکلتے ہیں اور ہزاروں کتابیں روزانہ شائع ہوتی ہیں۔ ان مضامین اور کتب کے ذریعہ احیائے دین اور تجدید دین کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ کبھی واشگاف (CLEAR CUT) انداز میں اپنی دعوت رکھی جاتی ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت پیش کر کے دلائل کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۲۔ کبھی عام مسلمانوں کی تربیت کرنے اور انکے اندر جذبۂ اقامت دین کو مہمیز لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳۔ کبھی باطل کے چیلنج کا دنداں شکن جواب دیا جاتا ہے۔

۴۔ اور کبھی اسلامی شریعت اور اس کے نظام ہائے زندگی (سیاست، معیشت، معاشرت، قضا و انصاف وغیرہ) کو مرتب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ پہلو بھی نہایت اہم اور ہمارے مقصد سے قریب تر ہے۔ بسا اوقات جب بھولے بھالے لوگوں کی نگاہ مسلمانوں کی زبوں حالی پر پڑتی ہے جو سراسر دین سے بے زاری کا نتیجہ ہے۔ تو یہ چیز انکے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حالات تو اس بات کے متقاضی ہیں کہ مسلمانوں کے اندر دین کا صحیح فہم پیدا کیا جائے، اس طرح کی تحقیقات سے کیا فائدہ؟

یہاں دو بڑی باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ پہلی بات تو یہ کہ جب عرفِ عام میں لوگ دین بولتے ہیں تو اس سے ایک محدود تصور سامنے آتا ہے۔ جو مسلمان قوم کے ہاں تو مقبول ہو سکتا ہے لیکن باری تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ لہٰذا یہیں رک کر ہمیں غور کر لینا چاہیے کہ کیا یہ چیزیں ہمارے اسلام سے خارج ہیں؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا، تو کیا فہم دین اور دینی بیداری میں ان نظام ہائے زندگی کی تفہیم و تشریح داخل نہیں ہے، جنہیں دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ فہم دین اور دینی بیداری کے نتیجہ میں جو چیز سامنے آتی ہے، وہ ہے اسلامی انقلاب یعنی حکومتِ الٰہیہ کا قیام، — جو ایک مومن کا مقصود و مطلوب ہے۔ سوچنے کی چیز یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں اسلامی قانون اور اسلامی نظام لاگو ہوگا جیسا کہ ہمارا دعویٰ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر پہلے سے ہمارے یہ قوانین اور ضابطے مرتب نہ ہونگے تو انکا نفاذ کیسے ہوگا؟ بہرکیف اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ آئندہ کبھی تجدید و احیاء پر بحث ہو جائے گی۔

جہاد بالقلم کی ضرورت و اہمیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں ان حدود کی تعیین ضروری ہے۔ جن کے اندر رہتے ہوئے جہاد بالقلم کی اجازت ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ ہر قسم کے جہاد کیلئے کچھ حدود مقرر ہیں۔ چنانچہ جہاد بالسیف کرنے والے مجاہدین کیلئے بہت سے حدود متعین ہیں مثلاً یہ کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ناحق قتل نہ کیا جائے۔

ہماری جو ذمہ داری قرآن بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ:

وکذالک جعلنٰکم امۃً وسطاً — اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا
لتکونوا شھداء علی الناس — کہ تم لوگوں پر حق کی شہادت اور گواہی دو

جب ہمارے سامنے شہادت اور گواہی کی بات آتی ہے تو ہمارا ذہن اسکی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ جس چیز کی ہم گواہی دے رہے ہیں، اسکا ہمیں مکمل علم ہو، معاملہ کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو سامنے رکھکر ہی جو گواہی دی جائے گی وہی حق و صواب کی گواہی ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ شہادت زور قرار پائیگی۔

ایسا بہت دیکھنے میں آتا ہے کہ پیسہ اور پریس کے ذریعہ بنام اسلام و مسلمان بہت ساری چیزیں شائع کی جاتی ہیں، جس میں کچھ دوسری ہی منفعتیں شامل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان رسائل اور کتابوں میں اسکے مولف اور مصنف (HYPRITTER) کی جانب سے کوتاہ علمی اور ناقص مطالعہ صاف جھلکتا ہے۔ لیکن بہرحال جب یہ تحریریں پریس سے طبع ہو کر بازار میں آجاتی ہیں تو امت کا ایک طبقہ تو بے پڑھے اور بے سمجھے آنکھیں موندے، اسکے پیچھے بھاگتا چلا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر رائے عامہ ہموار ہو جاتی ہے اور رہا دوسرا طبقہ جو علماء اور دانشوروں کا ہے، اسکا زیادہ وقت جو نہایت قیمتی ہے، ان اثرات کو زائل کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ جس سے انکا حقیقی کام متاثر ہوتا، بلکہ رک جاتا ہے۔

بلاشبہ اللہ رب العزت نے یہ صلاحیتیں بہتوں میں رکھی ہیں۔ لیکن دل اور ایمان کا فیصلہ یہی ہونا چاہیئے کہ جہاد بالقلم کو مستند علماء اور وقیقہ رس دانشوروں کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ حضرات علماء ہی اسکا بہتر حق ادا کر سکتے ہیں۔ یا پھر اپنے اندر اتنی لیاقت اور صلاحیت پیدا کریں کہ ہمارا دامن علم راسخ سے مالامال ہو جائے تب جا کر قلم اٹھانے کی سوچیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ہم شہادت زور کے مرتکب ہو کر خدا تعالیٰ کے نزدیک سزا کے مستحق نہ ٹھہریں۔ گویا اس عظیم کام کیلئے علم راسخ پہلی شرط ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری چیز ہے "حق اور درست بات کہنا"۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا علم اور اس کا ضمیر کچھ اور تقاضا کرتا ہے لیکن وہ اپنی منفعت اور خواہشات کے آگے جھک کر حق بات کہنے سے باز رہتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مصنف محض اس ڈر سے حق بات لوگوں کے سامنے نہیں پیش کرتا ہے کہ یہ لوگوں کیلئے نامانوس چیز ہوگی۔ اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں لوگ اس پر پل پڑیں گے۔ طعن و تشنیع اور گالیوں کا مقابلہ کرنے کا اسے یارا نہیں ہوتا، حالانکہ اسکا علم حق کی جانب صحیح رہنمائی کر رہا ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

قل الحق ولو کان مرا (ابن حبان) حق کہو اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔

مجدد دین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اسی قلم کے ذریعہ جہاد کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ اگرچہ ان کے لئے حالات تنگ اور زمانہ نازک تھا مجدد الف ثانی ؒ اور شیخ احمد سرہندی ؒ پر اسی صدی میں اصلاح و تجدید کے جرم میں بے پناہ مظالم کے پہاڑ توڑے جا چکے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ عالمگیر کا وہ دور بھی ختم ہو چکا تھا جہاں سے احیاء دین کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ ایسے نامساعد حالات میں پہلے تو حضرت دہلوی ؒ نے اپنے علم کو پختہ تر کیا۔ پھر حق کو واشگاف انداز میں پیش کر دیا۔ نہ کسی سے ڈرے اور نہ کسی لالچ میں پڑے۔ یہ جہاد بالقلم کا دوسرا مرحلہ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق کو جانچا کیسے جائے؟

حق کو جانچنے اور پرکھنے کی اصل کسوٹی قرآن کریم ہے، یہی سرچشمۂ ہدایت ہے

ھدی للمتقین (البقرہ) یہ قرآن اہل التقوی کیلئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

قرآن حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا آئینہ دار بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت ہے۔

کان خلقہ القرآن آپ ﷺ کی سیرت سراپا قرآن تھی۔

اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ سنت رسول سے آنکھیں موندلی جائیں اور اسکو ماخذ شریعت سے نکال دیا جائے۔ البتہ اس سلسلے میں دو باتیں قابل توجہ ہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ بلاشبہ حدیث قرآن کی تشریح و تعبیر ہے اور اسکا لحاظ ہم پر واجب ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ بس حدیث ہی حدیث ہمارے سامنے رہ جائے اور قرآن جو اسکی اصل ہے، وہ سرے سے ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ قرآن اسلام کا اصل ماخذ اور منبع ہے۔ قرآن ہی سیرت محمدی ﷺ اور طریق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد ہے اور اس کی یہ حیثیت ہمارے سامنے واضح رہنی چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کا طریق قرآن سے متصادم ہو۔ ہاں اگر تشریح اصل کے خلاف ہو تو ہمیں اصل یعنی قرآن کی جانب رجوع کرنا ہوگا کیونکہ قرآن قطعی اور صحیح قیامت تک کیلئے اپنی اصل صورت میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (ق)) لیکن ذخیرۂ احادیث کے سلسلے میں یہ دعویٰ ممکن نہیں کہ یہ آمیزش سے پاک ہے۔

اس تحقیقی اور تصنیفی مرحلہ میں دیکھنے کی ایک تیسری چیز یہ ہے کہ اس کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے۔ ظاہر ہے اسکے پیچھے اخلاص اور للہیت کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے۔ کسی کی تحقیر و تذلیل یا اپنے علم کا سکہ جمانا، بالفاظ دیگر نام و نمود مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں ہے

(وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ) (البقرہ) اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے علاوہ تمہارا اور کوئی مقصود نہ ہو۔

تو اس انفاق سے مراد صرف مال کا انفاق نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی لسانی، قلمی، جانی و مالی خدمات اسکے ضمن میں آجاتی ہیں۔ اگر خوشنودی رب اور رضائے الٰہی مقصود نہیں، تو ہو سکتا ہے کہ واہ واہ عامہ ہموار ہو جائے، پڑھنے پڑھانے والے میسر آجائیں لیکن آخرت کا ابدی اور سرمدی نتیجہ نہایت بھیانک صورت میں پیش

آئے گا۔ پھر کیا ایک محقق یا ایک مصنف کو آخرت کی یاد اور اللہ کا خوف بھی اس سے باز نہیں رکھتا اور کیا آخرت کی کامیابی اور حصول جنت کی تمنا بھی اسکی تحریر کو صحیح رخ نہیں دکھا سکتی۔

تحقیق و تصنیف کے سلسلہ میں یہ بات بار بار سامنے آتی رہتی ہے کہ فلاں فاضل مصنف نے فلاں کی کتاب اور اسکی تحریر کا رد یا جواب لکھا ہے۔ لیکن جب وہ جوابی کتاب سامنے آتی ہے تو اس میں مذکورہ بالا پہلوؤں سے بڑی حد تک غفلت پائی جاتی ہے یا بالکل ان اصولوں کا فقدان ہوتا ہے۔ ہاں، اگر ان پہلوؤں کا لحاظ کیا جائے اور اس میں شبہ نہیں کہ کچھ کتابوں اور تحریروں میں یہ چیز ملے گی تو وہ خالص علمی اور تحقیقی تحریر تسلیم کی جائے گی۔ پھر یہی علمی سرمایہ محفوظ رہتا اور موثر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن وہ تحریریں جو خالص جذباتیت کے ساتھ یا کچھ دوسرے مقاصد کے تحت لکھی جاتی ہیں، وہ ایک وقت میں کچھ ہلچل تو مچا دیتی ہیں لیکن جلد ہی وہ وقت بھی آتا ہے جب انکا کوئی نام لیوا نہیں رہ جاتا ہے۔

علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے "خلافت و ملوکیت" تحریر فرمائی۔ لوگوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ اس کا جواب بھی لکھا۔ لیکن مذکورہ بالا پہلوؤں کا لحاظ نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ کتابیں تو اب مفقود ہیں اور "خلافت و ملوکیت" اب بھی باقی ہے۔ اس موقعہ سے سید مودودیؒ پر عقلیت پسند، منکر حدیث اور شاتم صحابی جلیل جیسے نہ جانے کتنے فتوے لگائے گئے، وہ بھی اور حد اخلاقیات سے گری ہوئی گالیاں جی بھر کر دی گئیں اور اسی قسم کی تحریریں اور تنقیدیں سامنے آئیں۔ لیکن یہ بات سوچنے کی ہے کہ دوسروں پر حدیث سے اعراض و انکار کے فتوے لگانے والے کیا خود حدیث کا انکار نہیں کرتے؟ کیا وہ خود سنت کو پامال نہیں کرتے؟ کیا قرآن و سنت کی تعلیم یہی ہے کہ کسی پر جارحانہ تنقیدیں کی جائیں یا کہ بیہودہ قسم کی گالیاں اپنے مومن بھائی کو دی جائیں؟ کیا محض زبان ہی اس انکار و اقرار کا ذریعہ بنتی ہے یا عمل کا بھی اس میں کچھ دخل ہوتا ہے؟ کیا خدا کا رسول کبھی ایسی جذباتیت کا شکار ہوتا تھا؟ کیا آپ نے زندگی بھر کسی کو برا بھلا کہا؟ ہم تو اتباع حدیث اور پیروی سنت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہمارے رسولؐ نے تو ایک کھلے ہوئے منافق کو بھی کبھی منافق کے نام سے یاد نہیں کیا۔ آپ نے بھی تو لوگوں کی اصلاح کی کہ یہ آپؐ کے فریضہ میں داخل تھا۔ لیکن کیسا شفقت بھرا انداز ہوتا تھا آپؐ کا۔ کیونکہ وہاں صرف رضائے الٰہی مقصود ہوتی تھی۔ پھر آپ بتائیں کہ کیا کسی شخص پر بے جا تنقیدیں کرنے والوں اور فتوے لگانے والوں پر انکار حدیث یا سنت رسولؐ سے اعراض کی بات صادق نہیں آتی۔

تنقید اور گالیاں کیوں دی جاتی ہیں؟ اور اس کھلی ہوئی برائی کا سد باب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں چند معروضات پیش کر کے میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (الحجرات)	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

یہیں سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے یعنی پہلا مرحلہ۔ لہٰذا بہر حال ہمیں گمان سے باز رہنا چاہیئے۔ چنانچہ کہا گیا کہ "بدگمانی سرتاسر جھوٹ ہے" (حدیث)

۲۔ اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً و من کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا اؤتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر۔	چار باتیں ہیں جو کسی میں پائی جائیں تو وہ مکمل منافق ہوگا۔ جسمیں ایک بات پائی جائے تو اسمیں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دے (۱) امین بنایا جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد و پیمان کرے تو دغا دے (۴)

اور کسی سے جھگڑا ہو تو فحش کلامی پر اتر آتے۔ (حدیث)

جو لوگ تحریر و تقریر کی عظیم امانت اٹھانے کیلئے آگے بڑھیں کیا ہی خوب ہو گا کہ وہ اس کا صحیح حق ادا کریں۔ حق بات کہیں اور اسے برت کر دکھائیں۔ اختلافی مسائل میں مناسب اور متوازن رویہ اختیار کریں۔ مذکورہ بالا صفات ایک منافق کی صفات ہیں، جو بہر حال ایک مومن اور خاص طور سے داعی گروہ میں نہیں ہونی چاہیں۔

کسی مسئلہ میں اگر کوئی صحیح راہ سے ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے تو شفقت اور خلوص کے ساتھ اسکی اصلاح کر دینی چاہیئے کیونکہ "دین نصح و خیر خواہی کا نام ہے" (مسلم) نصح و خیر خواہی کے لفظ کی ادائیگی سے ہی کس قدر خلوص اور اپنائیت جھلکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ذاتیات پر اتر آئیں اور بدگوئی اور بدکلامی کرنے لگیں۔ ہمارے نبیؐ نے یہ سکھایا ہے کہ "سباب المسلم فسوق" (متفق علیہ) کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے ہمارے حضورؐ نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ:

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ (مسلم)	مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کر سکتا نہ اسے بے یارومددگار چھوڑ سکتا اور نہ ہی حقیر گردان سکتا ہے

یہ ہیں وہ اصول جن کا ہمیں اپنی تقریر و تحریر میں ہمیشہ لحاظ کرنا چاہیئے اور قارئین یا سامعین کو بھی ہر تقریر و تحریر انہی اصولوں پر جانچنی چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق

کیا حجر اسود کا بوسہ عقیدہ توحید کے منافی ہے؟ حضورؐ کے پیر کا نشان اور اس سے تبرک کا حصول؟ والدین کے بدلے حج کا حکم؟

از علامہ یوسف القرضاوی ________ ترجمانی: سید زاہد اصغر فلاحی

سوال:-

ایک کتاب ہمارے سامنے ہے جس میں صاحب کتاب نے حجر اسود کے سلسلے میں کلام کیا ہے صاحب کتاب کا کہنا یہ ہے کہ حجر اسود کا بوسہ دینا جائز نہیں اور یہ کہ اس سلسلہ میں جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ اسکو بوسہ دینا عقیدہ توحید کے منافی ہے اس سلسلے میں آپکی کیا رائے ہے؟

جواب:-

کم علمی کے باوجود لوگوں کا بڑے بڑے فتاوی صادر کر دینا درحقیقت امت مسلمہ کیلئے ایک بڑی مصیبت ہے ایسا یا تو وہ لوگ کرتے ہیں جو جاہل ہوتے ہیں یا وہ جو کافی پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور شک پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

حجر اسود کے سلسلے میں جو احادیث مروی ہیں انہیں جھٹلا دینا درحقیقت علم حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے علم حدیث کے چند قواعد اور اصول ہیں علماء حدیث نے یہ اصول اس لئے وضع کئے ہیں کہ صحیح اور موضوع حدیث کی تمیز ہو سکے اس راہ میں علماء حدیث نے جو کوششیں کی ہیں وہ یقیناً سب پر عیاں ہیں۔

ذیل میں میں حجر اسود کو بوسہ لینے کے سلسلہ میں چند صحیح احادیث کا

ذکر کرتا ہوں۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ابن عمرؓ سے حجر اسود کو چومنے کے بارے میں دریافت کیا گیا آپؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو اسے چومتے اور بوسہ لیتے دیکھا ہے۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ عمرؓ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے نفع ونقصان تیرے بس میں نہیں اگر میں آپؐ کو تجھے بوسہ لیتے نہ دیکھتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ لیتا۔

عمرؓ نے ایسا اس لئے کہا کہ ابھی ابھی جہالت اور پتھروں کو پوجنے کے دور سے نکلے تھے عمرؓ نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا محض حضورؐ کی اتباع میں ہے پتھروں کی تعظیم وتکریم کیلئے نہیں۔

یہ وہ احادیث ہیں جنکی صحت پر تمام علماء حدیث کا اتفاق واجماع ہے حدیث کی رو سے امت کا کسی بات پر اجماع واتفاق ہی کسی شیئی کے صحیح ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام میں بہت سارے ایسے اعمال ہیں جن کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے جنہیں ہم امر تعبدی بھی کہتے ہیں یعنی وہ عبادات اور اعمال جو محض اس لئے کئے جاتے ہیں کہ خدا اور اسکے رسول نے ہمیں ایسا کرنے کیلئے کہا ہے۔ چاہے ہماری عقل میں وہ سمائے یا نہیں۔ ان امور تعبدیہ کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ کون اپنی عقل کا تابع ہے اور کون بے چوں وچرا اپنے خدا کا تابع ہے حجر اسود کا بوسہ لینا بھی امر تعبدی ہے ذرا غور کریں! حجر اسود کو بوسہ لینا کیونکر عقیدہ توحید کے منافی ہو سکتا ہے جبکہ حج کے دوران ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سنت براہیمی ہے وہ ابراہیمؑ جس نے ایک کلہاڑی سے تمام معبودان باطل کو مسمار کر دیا تھا۔

سوال:- مصر میں ایک ایسا پتھر ہے جس میں لوگوں کے کہنے کے مطابق

حضورؐ کے پیر کا نشان ہے لوگ یہاں آتے ہیں اسے چھوتے چومتے اور برکت حاصل کرتے ہیں اپنی ضرورتیں مانگتے ہیں۔ کیا اس پتھر میں واقعی حضورؐ کے قدموں کے نشان ہیں؟ کیا اس سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے؟

جواب:-

مسلمانوں کو جس چیز نے تباہ و برباد کیا وہ ان کا افراط و تفریط ہے، کچھ لوگ افراط کا شکار ہیں اور کچھ تفریط کا۔ کچھ ایسے کمزور عقیدہ کے حامل ہیں کہ خرافات پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور کچھ اتنے متشدد کہ حجر اسود کی حیثیت کو بھی جھٹلاتے ہیں حالانکہ اسلام دین وسط ہے اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔

مصر میں جس پتھر کا آپ نے تذکرہ کیا اسکی کوئی تاریخی حیثیت نہیں، اسکی کوئی سند اور دلیل نہیں کہ اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشان ہیں۔

اگر فرض بھی کرلیں کہ اس پر واقعی حضورؐ کے قدموں کے نشان ہیں تو حضورؐ نے کبھی اپنی امت کو اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ انکے قدموں کے نشان یا انکے بال وغیرہ سے تبرک حاصل کریں۔ انہیں تقدیس کا درجہ دیں بلکہ آپ نے ہر اس فعل سے منع فرمایا ہے جس میں تعظیم و تکریم میں غلو اور تقدیس کا پہلو نمایاں ہونے لگے آپؐ کی حدیث ہے۔

لا تتخذوا قبری عیدا — میری قبر کو تم بار بار زیارت کی جگہ نہ بناؤ

لا تتخذوا قبری وثنا یعبد — میری قبر کو بت کی مانند نہ بناؤ جسکی پوجا کی جائے

اسی لئے حضرت عمرؓ نے رضوان کے اس مشہور درخت کو کٹوا ڈالا تھا جسکے نیچے مسلمانوں نے حضورؐ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اس واقعہ کو ہم بیعت رضوان سے جانتے ہیں اس کا تذکرہ قرآن میں بھی ہے عمرؓ نے محض اس لئے کٹوایا تھا کہ لوگ اسے متبرک جان کر اس کی زیارت نہ شروع کر دیں۔

سوال:- میرے والدین اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں انہوں نے فریضہ حج

ادا نہیں کیا تھا کیا میں انکے بدلے حج ادا کر سکتا ہوں؟ ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب :-

عبادات اور خاص کر جسمانی عبادتوں میں ہونا تو یہی چاہیئے کہ انسان خود ہی اسے انجام دے لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا تو اسکے بعد اسکی اولاد اسکی طرف سے یہ فرض انجام دے سکتی ہے کیونکہ اولاد والدین کی ایک جزء ہوتی ہے والدین کے وجود کا ایک حصہ ہوتی ہے جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا۔

ان اولادکم من کسبکم   بلاشبہ تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے

یہی وجہ ہے کہ اگر والدین کوئی کام ادھورا چھوڑ کر جائیں یا کوئی فرض ان سے رہ گیا ہو تو اس فرض کی انجام دہی انکے بعد انکی اولاد کو کرنی چاہیئے اگر اولاد خود نہیں کر سکتی تو کسی اور سے یہ کام کرا سکتی ہے حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے سوال کیا کہ اس کے والد نہایت ضعیف ہیں حج نہیں کر سکتے تو کیا وہ انکی طرف سے حج کر لے آپؐ نے فرمایا بے شک تم انکی طرف سے حج کر لو۔

ایک دوسری عورت نے سوال کیا کہ اسکی ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ اسکی ادائیگی سے قبل مر گئی آپؐ نے فرمایا کہ تم اس کے بدلے کر دو۔ فرض کرو اگر تمہاری ماں کسی کی مقروض ہوتی تو کیا تم اس کا قرض نہیں چکاتی؟ اللہ کا قرض تو سب سے پہلے چکانا چاہیئے۔

ایک بات ذہن میں رہے کہ جو شخص اپنے والدین یا کسی اور کے بدلے میں حج کر رہا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنا حج ادا کرے۔

عہد خلفاء راشدین اور حدیث کی روایات

ڈاکٹر محمد سلیم، لکچرر شعبہ دینیات
علیگڑھ

نبیؐ کی وفات کے بعد صحابہ کے پاس کتاب اللہ کے بعد سب سے بڑا سرمایہ سنت رسولؐ تھا اسکی حفاظت سب سے اہم ذمہ داری تھی۔ ابتداء ہی سے صحابہ اقوال وافعالِ رسول نقل کرنے میں غایت درجہ احتیاط برتتے تھے کہ خطا ونسیان کے باعث اسمیں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو جائے چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے اقوال وافعالِ رسول بکثرت نقل کرنا شروع کر دیئے تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایت حدیث پر پابندی عائد کر دی۔ انہوں نے ایک دن تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ انکم تحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ" (تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرنے میں اختلاف کرتے ہو، تمہارے بعد آنے والے لوگ اس میں اور بھی اختلاف کریں گے۔ تو تم رسولؐ سے کچھ مت نقل کرو اگر کوئی کچھ پوچھے تو کہدو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام سمجھو)

خلفاء راشدین کے زمانے میں تمام صحابہ اس بات پر متفق تھے کہ روایت حدیث کو عام نہ کیا جائے جس سے منافقین کو اسمیں اپنی طرف سے کچھ کمی یا بیشی کرنے کا موقع ملے، یا لوگ نقل حدیث میں خطا کے مرتکب ہوں۔ تمام خلفاء کتاب اللہ

اور سنتِ رسول کی روشنی میں قضایا وغیرہ طے کرتے تھے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرتے اگر وہاں نہ ملتا تو سنتِ رسول میں دیکھتے۔ اگر وہاں بھی نہ ملتا تو لوگوں کی طرف رجوع کرتے۔ لیکن اقوال و افعالِ رسول نقل کرنے میں اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا کہ راوی سے نقل حدیث میں کسی طرح کی غلطی واقع نہ ہو جائے چنانچہ اس خدشہ کے پیشِ نظر دوسرے لوگوں سے بھی شہادت طلب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں دادی کی میراث کا مسئلہ سامنے آیا۔ آپ نے لوگوں سے اس مسئلہ میں دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو پوتے کی میراث میں سے چھٹا حصہ دلاتے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان سے اس حدیث کی شہادت طلب کی۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اسکی گواہی دی۔ تو حضرت ابوبکر نے اس حدیث کی بنیاد پر دادی کو چھٹا حصہ دلوا دیا۔

حضرت ابوبکر کے بعد خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے حدیث کے معاملہ میں اپنے پیشرو خلیفہ کی پالیسی کو برقرار رکھا اور اپنے زمانے میں لوگوں سے اس پر سختی سے عمل کرایا۔ حضرت عمرؓ کا موقف ایسے لوگوں کے خلاف بہت سخت ہوتا جو کثرتِ روایت کے مرتکب پائے جاتے۔ انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ اور ابومسعود انصاریؓ کو کثرتِ روایت کے جرم میں حراست میں بھی لے لیا تھا۔ تقلیلِ روایت سے حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ لوگ رسولؐ کا کوئی قول یا فعل نقل کرنے میں بھول چوک نہ کر بیٹھیں یا کسی منافق کو کثرتِ روایت کے نتیجہ میں کمی یا بیشی کا موقع نہ مل جائے۔ جیسا کہ شیخ طاہر الجزائری فرماتے ہیں: "کان عمر شدید الانکار علی من اکثر الروایة او اتی بخبر فی الحکم لا شاهد له علیه وکان یامرهم بان یقلوا الروایة یرید بذلک ان لا یتسع الناس فیها فیدخلها الشوب ویقع التدلیس والکذب من المنافق والفاجر والاعرابی" حضرت عمر کثرتِ روایت اور کسی مسئلہ

میں بلا شہادت حدیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور لوگوں کو تقلیلِ روایت کا حکم دیتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ روایتِ حدیث کا دائرہ وسیع نہ ہونے پائے کہ اسمیں کسی فاسق، فاجر اور اعرابی کی طرف سے کوئی ملاوٹ یا کذب واقع ہو سکے۔)

تقلیلِ روایت سے ایک دوسرا مقصد یہ تھا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرآن کی طرف مائل ہوں۔ جیسا کہ حضرت قرظہ بن کعب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انہیں عراق روانہ کیا تو انکے ساتھ کچھ دور تک گئے اور کہنے لگے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں۔ حضرت قرظہ نے فرمایا کہ ہماری عزت افزائی کیلئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسی کے ساتھ ایک اور بھی بات ہے وہ یہ کہ تم ایسی جگہ جا رہے ہو جہاں کے لوگ شہد کی مکھیوں کی طرح تلاوتِ قرآن میں مصروف ہونگے۔ تم انہیں احادیث سنا کر قرآن سے الگ مت کرنا۔

حدیث کے معاملہ میں حضرت عمر بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔ عہدِ فاروقی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسولؐ کی طرف منسوب کر کے کچھ بیان کرتا تو حضرت عمر اس سے شہادت طلب کرتے تھے۔ امام جریری نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ حضرت عمر سے ملاقات کے لئے گئے۔ انہوں نے اجازت طلب کرنے کی غرض سے باہر سے تین بار سلام کیا حضرت عمر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے کی صورت میں وہ واپس چلے گئے۔ کچھ دور جانے کے بعد حضرت عمر نے انہیں بلوایا اور ان سے واپس جانے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع" (جب کوئی اجازت طلب کرنے کی غرض سے تین بار سلام کرے اور کچھ جواب نہ ملے تو چاہیئے واپس چلا جائے)، حضرت عمر نے حدیث سن کر فرمایا کہ اسکی شہادت پیش کرو ورنہ

ابو موسیٰ نے لوگوں سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو اصحاب رسولؐ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے یہ بات خود رسولؐ سے سنی ہے۔ اس شخص نے آکر حضرت عمر کے سامنے گواہی دی تب ابو موسیٰ کی خلاصی ہوئی

امام ذہبی نے بیان کیا کہ حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں تثبت کی بنیاد ڈالی۔ جب تک کسی حدیث کے بارے میں حضرت عمر کو گواہ و دلائل سے پورے طور پر اطمینان اور شرح صدر نہیں ہو جاتا اسوقت تک حدیث قبول کرنے میں توقف کرتے تھے یا بالکل ہی رد کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے حضرت عمر کے سامنے طلاق ثلاثہ والی عورت کو نفقہ اور سکنیٰ دیئے جانے کے بابت رسولؐ کا فرمان نقل کیا۔ حضرت عمر نے انکی حدیث کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا "لا نترک کتاب ربنا و سنۃ نبینا لقول امرأۃ لا ندری اصدقت ام کذبت احفظت ام نسیت" (ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ و سنت رسولؐ کو ترک نہیں کر سکتے۔ نہیں معلوم اس نے سچ کہا یا جھوٹ، یا بات کو اچھی طرح محفوظ رکھا یا بھول گئی۔)

حضرت عمر کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے اگر وہاں نہ ملتا تو سنت رسولؐ میں دیکھتے۔ اگر وہاں بھی نہ ملتا تو دیکھتے کہ حضرت ابوبکر نے اس سلسلہ میں کیا فیصلہ کیا ہے اگر اسکی نظیر وہاں بھی نہ ملتی تو اس مسئلہ میں لوگوں سے مشورہ کرتے۔ حضرت عمر کا زمانہ حدیث میں احتیاط کے معاملہ میں آنے والے خلفاء کیلئے ایک مثال بن گیا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ اپنے زمانے میں کہا کرتے تھے "اتقوا الروایات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ما کان یذکر منها فی زمن عمر فان عمر کان یخوف الناس فی اللہ تعالیٰ" (لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات نقل کرنے سے پرہیز کرو سوائے ان احادیث کے جو حضرت عمر کے زمانے میں روایت کیجاتی تھیں

اس لئے کہ عمر لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈراتے تھے۔)

صحابہ میں سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد ایک مرتبہ ان سے حضرت ابو سلمہ نے دریافت کیا کہ آپ حضرت عمر کے زمانے میں بھی اسی طرح روایات بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر میں ان کے زمانے میں اسطرح روایات بیان کرتا تو وہ ضرور مجھے درے سے مارتے

حضرت عمر کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی حدیث کے معاملہ میں اپنے پیشرو خلفاء کی اتباع کی۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں تمام احادیث کی روایت پر پابندی عائد کر دی تھی جو عہد صدیقی اور فاروقی میں معروف نہ تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے منبر پر خطبہ کے دوران فرمایا: "لا یحل لاحد یروی حدیثا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یسمع بہ فی عہد ابی بکر ولا عہد عمر" (کسی بھی فرد کیلئے جائز نہیں کہ وہ ایسی حدیث کی روایت کرے جسے میں نے عہد ابوبکر اور عمرؓ میں نہیں سنا)

حضرت علیؓ کا زمانہ سیاسی اعتبار سے بڑا پرآشوب دور تھا سیاسی خانہ جنگی کے نتیجہ میں مسلمان گروہوں میں بٹ گئے اور موقع پا کر بعض مفاد پرست اور منافقین نے جھوٹی حدیثیں بنانی شروع کر دیں۔ حضرت علی جب تک حیات رہے انکے سامنے اگر کوئی موضوع روایت آتی تو مجمع عام میں اسکی تردید کر دیا کرتے اور لوگوں کو حدیث کے معاملہ میں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ" (لوگوں سے انہیں حدیثوں کو بیان کرو جنہیں وہ جانتے ہیں اور جنہیں نہیں جانتے انکی روایت ترک کر دو کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ بولا جائے)

ایک دوسری جگہ آپ نے فرمایا: "اذا حدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فظنوا بہ الذی ھو اھدیٰ والذی ھو اھیاٰ والذی ھو اتقیٰ" (جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرو تو خیال رکھو کہ ایسی ہو جو بہت زیادہ رہنمائی کرنے والی ہو سب سے بہتر ہو اور جس میں تقویٰ کی ضمانت ہو۔)

خود حضرت علی کا معمول تھا کہ حدیث بیان کرنے والے سے حلف اٹھواتے اگر وہ قسم کھالیتا تو اسکی حدیث کو قبول کرتے اور اسکے مطابق فیصلہ فرماتے

خلفاء راشدین حدیث کے معاملہ میں سختی ضرور کرتے تھے مگر ان واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ حدیث کو دین نہیں سمجھتے تھے یا اسے ایک غیر معتبر چیز سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ عدم تواتر کی بنیاد پر رسول ؐ سے نقل حدیث میں غلطی کا امکان موجود تھا اس لیے انہیں غایت درجہ احتیاط برتتے تھے حالانکہ صحابہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہیں حدیث کا ایک ایک حرف اور اسکے معنی اچھی طرح محفوظ تھے۔ مگر وہ اس بات سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں ادائیگی حدیث میں خطاء و نسیان واقع نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے بہت سے صحابہ کثیر تعداد میں احادیث حفظ ہونیکے باوجود اسکی روایت سے پرہیز کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو سال بھر میں ایک حدیث تک بیان نہیں کرتے تھے۔ اس زمانے میں لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر وہ ضرورتاً کوئی حدیث بیان بھی کرتے تو خوف کے مارے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں کہ میں بلا ناغہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ہر جمعرات کی شام حاضر ہوتا مگر میں نے انکو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے کبھی نہیں سنا۔ ایک مرتبہ انہوں نے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔ کہا بھی تو سر نیچا کر لیا اور آنکھیں بھر آئیں

اور گردن کی رگیں پھول گئیں اور فرمایا: "او دون ذالک، او فوق ذالک، او

قریبا من ذلك او شبها من ذالك"[۵۵]

حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کیوں نہیں نقل کرتے تو فرمایا کہ میں نے نبی سے جدائی کے وقت سنا تھا کہ جو کوئی مجھ پر قصداً جھوٹ بولے اسکا ٹھکانا جہنم ہے[۵۶]

حضرت امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایک سال رہا مگر اس دوران میں نے ان سے ایک حدیث بھی نہیں سنی[۵۷]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم سے کہا کہ ہم سے رسول اللہ کی احادیث بیان کیجئے تو کہنے لگے "کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید" (ہم بوڑھے ہو گئے اور نسیان واقع ہونے لگا اور حدیث کا معاملہ بہت سخت ہے۔)

حضرت علی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اذا حدثتکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فلان اخر من السماء احب الی من ان اکذب علیہ[۵۸] (جب میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل کروں تو میرے لئے آسمان سے گر نا زیادہ اچھا ہے نسبت اسکے کہ روایت حدیث میں رسول پر جھوٹ بولوں)

دیگر کبار اصحاب میں حضرت انس بن مالکؓ، سعد بن مالکؓ، ابو عبیدہؓ، عباس بن عبدالمطلبؓ اور سعید بن زیدؓ حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی کے خطرہ کے پیش نظر بہت کم یا بالکل ہی روایت نہیں کرتے تھے[۵۹]

خلفاء راشدین نے روایت حدیث پر جو پابندی عائد کی تھی وہ اس لئے تھی کہ نقل حدیث میں عدم تواتر کی بنیاد پر سہو و نسیان یا خطاء کے باعث کذب علی الرسول واقع نہ ہو جائے یا اس بہانے منافقین کو دین میں دخل اندازی کا موقع ہاتھ نہ آجائے۔ اسکا لئے وہ تمسک بالقرآن پر زیادہ زور دیتے تھے

جس میں کسی طرح کے .... اختلاف کا امکان نہ تھا برخلاف حدیث کے کہ اسمیں اقوال وافعالِ رسول ﷺ نقل کرنے میں لوگوں کے حسب مراتب حفظ وعقل اور فہم وضبط کے اختلاف کا امکان موجود تھا۔ جسکی طرف خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ کیا تھا (الناس بعدکم اشد اختلافاً) صحابہ نے خلفاء راشدین کے زمانہ میں انکے مشورہ پر عمل کیا جسکے نتیجہ میں اس عہد میں حدیث ہر طرح کے کذب اور خطاء سے پاک وصاف رہی۔ لیکن خلفاء راشدین کے عہد کے بعد جب لوگوں نے عام طور پر حدیث کی روایت شروع کردی تو تاریخ نے بتایا کہ خلیفہ اول کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ انہیں جس چیز کا خطرہ تھا وہی سامنے آگیا۔ لوگوں نے حدیث کی بنیاد پر بہت سے مذاہب بنا ڈالے اور منافقین کو موقع مل گیا انہوں نے نہ صرف بہت سی صحیح حدیثوں کو بگاڑ دیا بلکہ رسول کے نام پر موضوع حدیثوں کے انبار لگادئے۔ جسکے نتیجہ میں احادیث میں چھان بین کی ضرورت پیش آئی۔

حوالہ جات

١ شمس الدین الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ١/٢، حیدرآباد ١٣٣٥ھ
٢ ایضاً
٣ ایضاً ١/٢
٤ طاہر الجزائری، توجیہ النظر فی اصول الاثر ١/١١، مصر ١٣٢٩ھ
٥ تذکرۃ الحفاظ ١/٢
٦ ایضاً
٧ محمد محمد ابو زہو، الحدیث والمحدثون /٨٨، مصر ١٣٧٨ھ
٨ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین ١/٧، مطبع النیل، مصر

٩ خطیب العجاج، السنۃ قبل التدوین /٩٨، قاہرہ ١٩٦٣ء
١٠ تذکرۃ الحفاظ ١/٧
١١ السنۃ قبل التدوین /٩٨
١٢ تذکرۃ الحفاظ ١/١٢
١٣ مسند احمد ١/١٢
١٤ تذکرۃ الحفاظ ١/١٠
١٥ سنن ابن ماجہ، باب التوقی فی الحدیث
١٦ توجیہ النظر /١١
١٧ سنن ابن ماجہ، باب التوقی فی الحدیث
١٨ ایضاً
١٩ سنن ابوداؤد، باب فی قتل الخوارج
٢٠ توجیہ النظر /١٨
٢١ تذکرۃ الحفاظ ١/٢٠

بقیہ ص ٦٩ کا

[illegible] کے والد محترم اور حیات نو کے منیجر محمد اشفاق عالم کے عم محترم بھی انتقال فرما گئے ادارہ حیات نو ان سب کے غم میں شریک ہے۔ اور دعائے مغفرت کرتا ہے۔

امتحان وتعطیل

حسب اعلان جامعہ ۲۰ر دسمبر ۹۵ء سے سالانہ امتحان شروع ہو کر ۱۰ر جنوری ۹۶ء کو ختم ہو جائیگا۔ طالبات ایک دن قبل یعنی ۹ر جنوری ۹۶ء کو فارغ ہو جائیں گی۔ آخری پرچہ حل کرنے کے بعد طلبہ وطالبات گھروں کو جاسکیں گے۔ اساتذہ ۱۵ر جنوری ۹۶ء تک رک کر نتائج تیار کریں گے ۱۶ر جنوری ۹۶ء مطابق ۲۴ر شعبان سے باقاعدہ تعطیل کلاں کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ۔ اگلا تعلیمی سیشن دوبارہ ۲۰ر فروری ۹۶ء مطابق ۸ر شوال سے شروع ہوگا۔

دوسری قسط[1]

تحقیق کیسے

تحریر ـــــــــــــ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
ترجمانی ـــــــــــــ انیس احمد فلاحی مدنی

چوتھا مرحلہ

نقد علمی نقد جس طرح مقالہ کے اندر آئے ہوئے نصوص و روایات پر کیا جاتا ہے اسی طرح ان مصادر و مراجع پر بھی کیا جاتا ہے ریسرچ اسکالر نے اپنے مقالہ میں جن پر اعتماد کیا ہو۔

عموماً لوگ مقالہ میں ایک فصل مصادر کی تحلیل کیلئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ جس میں مصادر کی اہمیت اور مؤلف کی جانب اسکی نسبت وغیرہ کی تحقیق و توثیق کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اسے عصر حدیث کی ایجاد سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ چیز ہمارے بعض پیشرو مصنفین کے یہاں بھی نظر آتی ہیں چنانچہ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" مسعودی نے "مروج الذہب" اور ابن الملقن نے "البدر المنیر" کے مقدمہ میں مصادر کی تحلیل کا اسلوب اختیار کیا ہے کیونکہ مصادر کی تحلیل قاری کے وثوق کا اہم ذریعہ ہوتی ہے۔

مصادر کی تحلیل کی نمایاں مثال "نقد النثر" ہے۔ چنانچہ رمضان عبدالتواب اس کتاب کی تحلیل کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اسکی نسبت قدامہ بن جعفر کی جانب درست نہیں ہے حتی کہ اسکا شائع رائج نام بھی غلط ہے۔ اس کتاب

---

[1] تسلسل کیلئے مجلہ تحقیقات نو جنوری، فروری ۹۵ء ملاحظہ فرمائیں۔

کے اصل مصنف ابوالحسین بن وہب الکاتب ہیں اور اس کا نام "البرہان فی وجوہ البیان" ہے۔

دوسری نمایاں مثال "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" ہے یہ کتاب ابن قتیبہؒ کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن یہ رائے مندرجہ ذیل تین وجوہ سے درست نہیں ہے۔

۱۔ اس کتاب کا اسلوب ابن قتیبہؒ کی دیگر معروف کتابوں کے اسلوب سے مختلف ہے۔

۲۔ ابن قتیبہؒ ایک معروف و مشہور سنی عالم ہیں، جبکہ یہ کتاب شیعی رجحانات کی حامل ہے۔

۳۔ اس کتاب میں بعض ایسے واقعات بھی مذکور ہیں جو ابن قتیبہؒ کی وفات کے بعد پیش آئے ہیں۔

مصادر کے انتساب کی توثیق درج ذیل چیزوں سے ہوتی ہے

۱۔ کتاب اور مؤلف کے بارے میں معلومات

۲۔ اگر مصادر مخطوطے ہوں تو کتب تراجم اور انسائیکلوپیڈیا کی جانب رجوع کہ انہیں مصنف کی اس فن پر کسی تصنیف کا تذکرہ ہے یا نہیں،

۳۔ مصدر جس فن کا ہو۔ اس فن کی دیگر کتابوں کی جانب رجوع کہ ممکن ہے دیگر مصنفین نے اس کتاب کے اقتباسات یا حوالے نقل کئے ہوں اور اس کے مؤلف کی وضاحت کی ہو۔

مؤلف کے اسلوب کی تحقیق مؤلف کی دوسری معروف و معتمد کتابوں کے اسالیب کی مدد سے کی جائیگی۔ اور اسی طرح تحقیق میں ہمعصر مصنفین کے اسالیب کا مطالعہ، اس دور میں استعمال کئے جانے والے اوراق و روشنائی، طرز تحریر وغیرہ بھی مخطوط کی نسبت کی تحقیق میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔

مصادر کے غلط انتساب کی نمایاں مثال "کتاب العین" کی تحقیق ہے۔ یہ کتاب مشہور نحوی امام خلیلؒ کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ یہاں یہ رائے محققین کے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔

۱۔ اسمیں امام خلیلؒ کے بعد کے ادباء کے اقوال مذکور ہیں

۲۔ متاخرین کے فصیح اشعار سے استشہاد جو خلیلؒ جیسے نحوی سے بعید بات ہے

۳۔ اور سب سے اہم وجہ یہ کہ اس کتاب کا راوی ایک مجہول شخص ہے۔

امام خلیلؒ کے خاص اور معروف تلامذہ میں سے کسی نے بھی اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور اگر یہ کتاب انکی تصنیف کردہ ہوتی تو انکے تلامذہ خصوصاً الاصمعی، الیزیدی، ابن الاعرابی وغیرہم اپنی کتابوں میں انکے اقوال ضرور نقل کرتے لیکن انکے شاگردوں کا اس کتاب سے حکایت نہ کرنا اس کتاب کی خلیلؒ کی جانب نسبت کے غلط ہونے کی مضبوط دلیل ہے۔

مذکورہ نقد کو نقد خارجی کہتے ہیں۔ نقد خارجی کے بعد، ریسرچ اسکالر نقد داخلی کی جانب متوجہ ہو گا اس نقد کی دو قسمیں ہیں۔ ایجابی اور سلبی

نقد ایجابی مؤلف کی عبارت کے مفہوم ومعنی کی تعیین وتبیین اور اسکے مطالب کی تشریح وتفسیر لغت کی رو سے ان اصطلاحات واسالیب کی روشنی میں کیجائے جو اس دور میں معروف ورائج رہی ہوں۔ مختلف ادوار وعصور میں الفاظ کے بدلتے ہوئے معانی پر نظر رکھنے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ زبان تغیر پذیر ہے اور مختلف تغیراتی مراحل میں اسکے معنی کی حدود وسعت بھی مختلف اور جدا گانہ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "الحائط" کا اطلاق عہد نبوی میں باغ پر ہوتا تھا جبکہ آج اس لفظ کا اطلاق محض دیوار باغ پر ہوتا ہے اور اسی طرح "علت" کی اصطلاح علوم حدیث میں، اصول فقہ میں مستعمل "علت" سے مختلف ہے، لہذا کسی بھی دور کی تصنیف کو صحیح طور سے سمجھنے کیلئے اس دور کی اصطلاحات

کو نظر میں رکھنا از حد ضروری ہے۔

عہد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں لکھی گئی ادبی کتابوں کی تفہیم لغت اور اسکے اسالیب میں قدرت ومہارت پر منحصر ہے کیونکہ عربی ادب کنایات واستعارات مجازات وتشبیہات، تلمیحات اور تضمینات سے پُر ہے۔ اس لئے نصوص کی معتبر تفہیم کے لئے اسالیب بیان کے ان مختلف زاویوں سے باخبر ہونا ناگزیر امر ہے اسی کے ساتھ نصوص کے پڑھتے وقت یہ عام قاعدہ ہمیشہ ذہن میں مستحضر رہے کہ: "الالفاظ اذا أمكن حملها على ظاهرها، فلا يجوز العدول عنه" (الانصاف في مسائل الخلاف، ابن الانباری: ص ۲۴۳)

الفاظ کے ظاہری مدلول سے انحراف ناجائز وناردست ہوگا الّا یہ کہ اسکو مراد لینے کی کوئی صورت ہی ممکن نہ ہو۔

نقد سلبی نقد سلبی کا تعلق، مؤلف کی عدالت اور اسکے حفظ واتقان سے ہوتا ہے۔ حفظ واتقان اور عدالت کی شرطیں اصول حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ چنانچہ کسی بھی شخص کی روایت اسی وقت قبول کی جائے گی جبکہ وہ صحیح سیرت وکردار کا حامل ہو اور خوف خدا سے اس قدر لبریز ہو کہ اسکی نقل کردہ روایت کی صداقت پر قاری کو مکمل اعتماد ہو جائے۔

تالیف کتاب کے اغراض ومقاصد کا جائزہ لینا بھی نقد سلبی ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا اس امر کی تحقیق ناگزیر ہے کہ کہیں مقصد تالیف کسی امیر یا جماعت یا مسلک کی حمایت تو نہیں ہے، کیونکہ اسطرح کا مقصد تالیف، مؤلف کی تحریر یا اور اس کے رجحانات پر خاصا اثر ڈالے گا نیز تالیف کتاب کے وقت مؤلف کو آزادی تحریر حاصل تھی کہ نہیں کیونکہ آزادی تحریر اگر مؤلف کو مکمل طور سے حاصل نہ رہی ہو تو مصنف بعض حقائق یا تو ڈر سے منظر تحریر پر لائے گا ہی نہیں یا اسطرح سے لائے گا کہ حاکم وقت کی غلطیوں پر پردہ پڑ جائے۔ مثال کے

طور پر عباسی خلفاء کی چاپلوسی و تملق میں اس عصر کے بعض مؤرخین نے عہد اموی کو ایک جاہلی عہد کی شکل میں پیش کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

مذکورہ بالا امور کی تحقیق کے بعد ریسرچ اسکالر منہج کتاب کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ لے کہ مصنف نے نصوص و روایات سے نقل کرنے میں احتیاط و باریک بینی سے کام لے کر حرفاً حرفاً نقل کیا ہے یا انھیں تبدیلی کی ہے۔ اور دوسری صورت میں آیا مفہوم کی حفاظت کی ہے یا نہیں؟

مصنف کی عقل و حواس کی سلامتی کا جاننا بھی نقد سلبی ہی سے متعلق ہے اور اسی طرح مصنف کی معلومات کے مصادر کی تحقیق بھی ازحد ضروری ہے کہ کیا مصنف واقعات کا چشم دید گواہ ہے یا اس نے دیگر چشم دید گواہوں کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔ اور دوسری صورت میں ان چشم دید گواہوں کی عدالت حفظ و اتقان، اور ان خیالات و رجحانات کی تحقیق بھی لازمی ہے جن خیالات کے حامل یہ چشم دید گواہ روایت کرنے کے وقت تھے۔

یہ تمام امور روایات کے مرتبہ کو واضح کرنے میں مدد و معاون ہونگے کسی کتاب اور اسکے مؤلف کے ثقہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکی کتاب میں مذکور تمام روایات بلا چوں و چرا قبول کر لی جائیں بلکہ ہر روایت کی صحت کو سند و متن کے اعتبار سے الگ الگ پرکھنا بھی ضروری ہے۔

مثال کے طور پر ابن سعد ایک معتمد اور قابل اعتبار مؤرخ ہیں اور انکی کتاب "الطبقات الکبری" کا شمار قرون اولی کی اسلامی تاریخ کے بہترین مصادر میں ہوتا ہے۔ لیکن ابن سعد جسطرح ثقہ اور معتبر راویوں جیسے عفان بن مسلم عبید اللہ بن موسی العبسی اور فضل بن دکین سے روایت کرتے ہیں اسی طرح ضعیف اور ناقابل اعتبار راویوں سے بھی روایت کرتے ہیں جیسے ابن الکلبی اور الواقدی لہذا ریسرچ اسکالر کو چاہیئے کہ طبقات کی تمام روایات کے ساتھ ایک جیسا معاملہ

ذکر ہے کیونکہ اسکی روایتوں کے مصادر، قوت وضعف، حقیقی اور گھڑے ہوئے ہونے کے اعتبار سے مختلف قسم کے ہیں۔

ایسا ہی معاملہ محمد بن جریر الطبری کا بھی ہے چنانچہ وہ اہل سنت کے نزدیک تفسیر و حدیث اور فقہ و تاریخ کے امام ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انکی ان تمام روایات کو معتبر سمجھا جائے جنہیں انہوں نے اپنی کتاب "تاریخ الرسل والملوک" میں درج کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہر مسلک فکر کے لوگوں، جیسے خوارج، شیعہ، کسی قبیلہ یا کسی شہر یا رائے سے تعصب رکھنے والوں سے روایت کی ہے۔ اور ان میں قابل اعتبار اور ثقہ رواۃ کے ساتھ ضعیف اور ناقابل اعتبار رواۃ بھی ہیں۔ لہٰذا ہر روایت کی علاحدہ طور پر تحقیق کرنا نہایت ضروری ہے۔

اگر ریسرچ اسکالر نے علمی مواد کا ذخیرہ جمع کئے ہوں تو اسے ہر فصل و بحث اور ہر مسئلہ کے متعلق وارد روایات اکٹھا مل جائیں گی جس سے انکی صداقت وصحت کا پتہ لگانا آسان ہوگا کہ یہ روایتیں آیا تمام مصادر میں متفق علیہ ہیں یا ان میں سے کوئی شاذ بھی ہے۔ اور اگر کوئی روایت شاذ ہے تو آیا وہ دیگر معتبر مورخین کی بیان کردہ روایت کے مخالف ہے یا مجرد اضافہ اور اگر مجرد اضافہ ہو تو ایسی صورت میں اس روایت کی صحت کا دارومدار اس مورخ کے معتبر ہونے پر ہوگا اور اگر مورخ ناقابل اعتماد ہو اور اس نے ثقہ مورخین کی مخالفت کی ہو تو ایسی صورت میں اسکی مخالفت درخور اعتنا نہیں ہوگی۔

چونکہ حدیث، تاریخ اور علوم شرعیہ کے مصادر عموماً روایات کو اسانید کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس لئے اصول حدیث کے ماہرین نے روایتوں کی جانچ و پرکھ کیلئے جو اصول مقرر کئے ہیں انہیں استعمال کرنا ناگزیر ہے۔ البتہ وہ تاریخی روایات جو احادیث صحاح کے مرتبہ سے کم تر درجہ کی ہوں، ان روایات سے افضل ہوں گی جو بلا سند بیان کی گئی ہوں کیونکہ سند کے ذریعہ بیان کی گئی روایتوں کا حکم

لگانے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔

عقیدہ وفقہ سے متعلق صرف وہی روایتیں قبول کی جائیں گی جو محدثین کرام کی شرطوں پر پوری اتر رہی ہوں۔ البتہ تاریخی روایات میں اصول حدیث کا لحاظ کرنا مشکل ہے کیونکہ مورخین نے تاریخی روایات کے سلسلہ میں محدثین جیسی احتیاط وباریک بینی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ان سے اس سلسلہ میں کافی تساہلی ہوئی ہے تو اگر اپنے منہج کو ہم رو کر کے تاریخ میں بھی صحت حدیث کی شرطوں کا اعتبار کرنے لگیں تو پھر ہماری تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک عمیق خلا پیدا ہو جائیگا اور جس کے نتیجہ میں ہم حیرت و پریشانی میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی امت کی تاریخ سے کٹ کر انتشار وانقطاع کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تاریخی روایتوں کی تحقیق میں محدثین کرام کے منہج کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے کیونکہ ایک ہی واقعہ میں مختلف ومتضاد روایات کے آنے کی صورت میں اس منہج سے ترجیح میں مدد ملے گی۔ اور ایسے ہی اسکے ذریعہ ان نصوص وروایات کو جو ہماری تاریخ کے عمومی مزاج کے خلاف ہوں رد کر سکتے ہیں۔ البتہ تھوڑی بہت نرمی کا لحاظ بہرحال کرنا ہوگا کیونکہ احادیث کی روایت امت نے اتنے زیادہ اہتمام سے کی ہے کہ وہ صحت حدیث کی کڑی شرطوں پر پوری اتر سکتی ہیں جبکہ تاریخی روایات کی نقل میں اس اہتمام کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔

تعارف وتبصرہ

عبدالبر اثری فلاحی

ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس

کتابت وطباعت:- عمدہ
صفحات :- ۳۱۰
قیمت :- ۴۰ روپئے

ملنے کے پتے

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱ فون ۱۸۱۶۰
مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶
دھرسند یشس سنگم ای ۲۰ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

یہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو جامعۃ الفلاح کے فارغین کی انجمن طلبہ قدیم کے کنونشن کے موقع پر منعقد ہونے والے سمینار میں پیش کئے گئے تھے۔ یہ کل ۲۰ مقالات ہیں انکی قدر وقیمت کا اندازہ مقالات کے عناوین اور فاضل مقالہ نگاروں کے ناموں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ خطبہ استقبالیہ	ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی
۲۔ ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی
۳۔ دینی مدارس اپنا متوقع کردار کیوں نہ ادا کر سکے	مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی
۴۔ غلبہ اسلام کی جدوجہد میں دینی مدارس کا کردار	مولانا نظام الدین اصلاحی
۵۔ عہد نبوی کے تعلیمی ادارے	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی
۶۔ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم	ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی

۷ - جماعت اسلامی ہند کا تعلیمی نظام	محمد اشفاق احمد سکریٹری تعلیمات جماعت اسلامی ہند
۸ - ہندوستان کی موجودہ تعلیمی تحریکات — ایک جائزہ	مولانا سلطان احمد اصلاحی
۹ - دور جدید کے تقاضے اور دینی مدارس کا نصاب	مولانا ابوالحسن اعظمی
۱۰ - " " " " " " "	مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری
۱۱ - دینی مدارس میں سائنسی تعلیم	ڈاکٹر عبدالقیوم
۱۲ - اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب	مولانا رفیق احمد سلفی
۱۳ - اتحاد امت اور دینی مدارس	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
۱۴ - ملی مسائل اور دینی مدارس	مولانا عبدالوہاب خلجی
۱۵ - تعلیم بالغان اور دینی مدارس	ڈاکٹر اکبر رحمانی
۱۶ - بھارتیہ جنتا پارٹی کی تعلیمی پالیسی	راحت ابرار
۱۷ - ملت کے معاشی مسائل اور دینی مدارس	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۱۸ - مدارس دینیہ کا وفاق — مسائل اور مشکلات	مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۱۹ - دینی وعصری اداروں کے مابین باہمی تعلق امکانات و مسائل	مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری
۲۰ - عصری جامعات سے الحاق اور اسکے مسائل	ڈاکٹر صلاح الدین عمری

اس فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک وملت اور مدارس کے تمام اہم مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اہل دانش وبینش غور وفکر کے بعد آئندہ کیلئے جامع لائحہ عمل طے کرسکیں اور دینی مدارس ملک وملت کی تعمیر میں اپنا قرار واقعی کردار ادا کرنے کے لائق بن سکیں۔ ان مقالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ فاضل مقالہ نگاروں نے بڑی سنجیدگی سے ان مسائل پر غور وفکر کرکے مناسب حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اگر انہیں اختیار کیا جائے تو مثبت تبدیلی یقینی ہے۔ ملک وملت کے موجودہ مسائل کا درد رکھنے والے ہر فرد کو ان کا مطالعہ کرنا چاہئے ان شاء اللہ یہ ان کیلئے سعادۃ

نور" ثابت ہوگا۔ خصوصاً مدارس کے "ذمہ داران" اساتذہ اور طلبہ کو تو ضرور بالضرور پڑھنا چاہئے کہ اس سے ان کی منزل اور راہیں اور روشن ہوں گی اور بہت سے لاینحل الجھے مسائل کا درماں ہاتھ آئے گا۔ مثلاً کچھ سلگتے مسائل کے سلسلے میں درج ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

✲ " ہماری دینی درسگاہیں اپنا متوقع کردار نہ ادا کرسکیں اسکی چوتھی اور اہم بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اساتذہ جوان درسگاہوں کے روح رواں ہوتے ہیں اور جن کے دم سے ان درسگاہوں کی رونق اور تب وتاب ہوتی ہے وہی اساتذہ ان درسگاہوں میں بالکل بے اثر ہوتے ہیں وہ بس ایک بے بس ملازم بن کر رہ جاتے ہیں اور اداروں میں پیش آنے والے معاملات کے سلسلے میں فیصلے کرنا اور ان کے لئے پالیسیاں اور پروگرام بنانا ان مجالس کا کام ہوتا ہے جن کا اصلاً یہ کام نہ تھا مجلس انتظامیہ کیا چیز ہے؟ اور مدارس اور درسگاہوں کے اندر کب سے اس کا وجود ہوا؟ یہ ایک اہم نکتہ ہے جسے یہاں سمجھنا ضروری ہے تاکہ معاملے کی وضاحت ہوسکے۔

ہمارے بزرگ اسلاف کے ہاں صورت حال یہ تھی کہ انکے علمی حلقے ہوا کرتے تھے جن میں دور ونزدیک کے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ جو لوگ نزدیک کے ہوتے ان کا کوئی مسئلہ نہ ہوتا البتہ جو لوگ دور کے ہوتے وہ عموماً انہی اساتذہ کے مہمان ہوا کرتے تھے جن کے وہ حلقے ہوتے۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ کا زبردست حلقہ ہوا کرتا جسمیں پچاسوں تلامذہ شریک ہوا کرتے ان پچاسوں میں خاصی تعداد ایسی ہوتی جن کے میزبان خود امام ابوحنیفہؒ ہوا کرتے اور وہی انکے تمام مصارف کا بار اٹھاتے، پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال ہوگئی کہ علماء کی تعداد کم ہوگئی اور تشنگان علم کی تعداد بہت بڑھ گئی اور کسی ایک آدمی کیلئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ بڑی تعداد میں آنے والے تشنگان علم کو علمی طور سے بھی سیراب

کرے اور مادی طور سے بھی ان کا سارا بار اٹھائے، جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو دوسرے اہل خیر حضرات نے اپنا دست تعاون بڑھایا اور اس طرح کے طلبہ کے مصارف کا بار اپنے ذمے لے لیا، اس طرح صورت یہ بنی کہ جو علماء تھے وہ خالص تعلیم و تربیت کی طرف یکسو ہو گئے اور دوسرے ارباب خیر طلبہ کے مصارف کے ذمہ دار ہو گئے پھر اس شکل نے مزید ترقی کر کے مدارس دینیہ کی شکل اختیار کر لی جن میں ایک کے بجائے متعدد علماء تعلیم و ارشاد کا کام کرتے اور علاقہ کے اہل خیر حضرات ان کے ساتھ مالی تعاون کرتے۔ اور جو ضرورت مند طلبہ ہوتے ان کی مکمل کفالت کرتے اس طرح ہوتا یہ تھا کہ ان مدارس کا تعلیمی و تربیتی نظام مکمل طور سے ان علماء کرام کے ہاتھوں میں ہوتا جو ان مدارس میں درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کا کام کر رہے ہوتے، اور دوسرے لوگوں کا کام بس یہ ہوتا کہ وہ مالی تعاون کریں یا فراہمی مال کی کوشش کریں۔

جس وقت کام کی ترتیب اس طور سے ہوتی یعنی تعلیمی و تربیتی معاملات کے با اختیار ذمہ دار وہ علماء یا وہ اساتذہ ہوا کرتے جو ان مدارس سے وابستہ ہوتے اس وقت ان مدارس کی فیض بخشیاں بے حد و حساب ہوتیں اور یہ مدارس صحیح معنوں میں دینی قلعے ہوتے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان مدرسوں سے متعلق جملہ اختیارات کے مالک وہی علماء اور وہی اساتذہ ہوتے اور وہ اپنے کام یا اپنے مشن کی مناسبت سے جو بھی پروگرام یا جو بھی ضابطے بناتے کوئی اس میں مداخلت کرنے والا نہ ہوتا۔ اس وقت علماء کا ایک وقار اور ایک دبدبہ ہوتا طلبہ و تلامذہ ان کی عزت و توقیر کے جذبات سے سرشار ہوتے اور انکی جوتیاں سیدھی کرنا اپنے لئے باعث شرف سمجھتے، اپنے اساتذہ کی عزت و توقیر دیکھ کر خود انہیں اپنی عزت و فیروزمندی کا احساس ہوتا اور انکے قلب و ذہن میں یہ بات جاگزیں ہوتی کہ جو راہ انہوں نے اختیار کی ہے

وہی عزت و کرامت کی راہ ہے وہی اس قابل ہے کہ اس میں اپنی زندگیاں لگا دی جائیں۔ ایک ایسے ماحول میں جو طلبہ پرورش پاتے ان کے اندر عزت نفس ہوتی انکی طبیعت میں بلندی ہوتی انکے اندر ایک امنگ اور ایک زندگی ہوتی انکے اندر خدمت دین کا جذبہ اور تحکیم شریعت کا ولولہ ہوتا اور انکے اندر وہ سب کچھ ہوتا جو جانشینان انبیاء کے شایان شان ہوتا۔

پھر ایک دور وہ آیا کہ صورت حال اسکے برعکس ہو گئی مدارس کے اساتذہ ان لوگوں کے محتاج اور ان لوگوں کے تابع فرمان ہو گئے جو کبھی ان کے محتاج اور تابع فرمان ہوا کرتے تھے وہ لوگ جن کا کام بس یہ تھا کہ وہ مدارس کی مالیات کو مستحکم کریں وہ اس سے آگے بڑھ کر مدارس کے جملہ امور میں مداخلت کرنے لگے اور مدارس کے اساتذہ ان کے ہاتھوں میں ربر کی مہر یا موم کی ناک بن کر رہ گئے، یہی وہ وقت تھا جب مدارس کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا علم دین کی آبرو گھٹنی شروع ہوئی اور وہ مدارس جہاں سے کبھی شیران غاب اور مردان کار نکلا کرتے تھے اب وہاں سے زاغ و زغن اور شیر قالین نکلنے لگے۔

یہ بات طے ہے کہ مجبور و بے بس اور لاچار اساتذہ جو مکمل طور سے عزت و وقار سے محروم ہوں وہ کبھی ایک خود دار، با عزت اور حوصلہ مند نسل نہیں تیار کر سکتے

لہٰذا آج اگر مدارس کو موثر بنانا ہے اگر ان کی فیض رسانیوں کا سلسلہ پھر جاری کرنا ہے اگر وہاں سے شیران غاب اور مردان کار پھر تیار کرنے ہیں تو ضروری ہے کہ مدارس میں رہنے والے علماء کو پھر وہی مرکزیت حاصل ہو جو پہلے کبھی حاصل تھی اور وہ لوگ جن کا کام بس یہ تھا کہ وہ مدرسوں کے انتظامی معاملات دیکھیں اور انکی مادی تعمیر و ترقی کے منصوبے بنائیں

وہ مدرسوں کی مالیات کو درست و مستحکم کریں دوسرے لفظوں میں وہ لوگ جو آج کی اصطلاح میں مجلس انتظامیہ یا مجلس منتظمہ کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ اپنے حدود میں رہیں، آگے کے معاملات میں دخل دینے کی کوشش نہ کریں۔

ضروری ہے کہ تعلیمی و تربیتی میدان سے متعلق جملہ اختیارات کے مالک وہی علماء ہوں جنہیں اس میدان میں کام کرنا ہے تاکہ ایک طرف تو وہ آزادی کیساتھ اپنے کام کیلئے پروگرام بنا سکیں اور انہیں عملی جامہ پہنا سکیں دوسری طرف انہیں وہ عزت ووجاہت اور وقار و تمکنت حاصل ہو جو ایک باعزت اور خود دار قوم کی پرورش یا ایک غیور اور حوصلہ مند نسل کی تیاری کیلئے ناگزیر ہے۔ (ص ۴۴-۴۵)

✱ "دراصل "وحدت مقصد" ہی میں کامیابی کی ضمانت ہے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اگر ان مضامین و موضوعات میں ـــــ جو ان کے نصاب میں بنیادی ہیں ـــــ پوری طرح لگ کر کمال پیدا کرلیں تو ـــــ اس گئے گذرے دور میں ـــــ بھی انکی قدردانی کم نہیں ہوتی بلکہ کمال پیدا کرنے والے طلبہ کے گویا جنس نایاب ہو جانے کی وجہ سے ان میں جو صاحب کمال ہو جائے اس کیلئے دنیا آج بھی فرش راہ نظر آتی ہے سامنے کی بات ہے کہ ان مدارس میں جن طلبہ نے تمام متعلقہ موضوعات میں کمال نہیں حاصل کیا صرف عربی زبان میں لکھنے بولنے کی مشق بہم پہنچالی انکی "قیمت" آج کے "بازار" میں بھی ـــــ کسی گریجویشن بلکہ پی ایچ ڈی کرنے والے سے کم نہیں ہے اور جنہوں نے ان تمام موضوعات میں نہ سہی ـــــ ان میں سے اکثر کے اندر ـــــ مہارت پیدا کرلی انکی دنیاوی عزت افزائیاں اور قدردانیاں بھی عصری درسگاہوں کی بڑی سے بڑی ڈگری رکھنے والوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں، بلکہ کچھ زیادہ ہونا ہی مشاہد ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کے اندر ـــــ زیر درس ـــــ

موضوعات میں امتیاز و اختصاص پیدا کرنے کا ذوق پیدا کیا جائے لیکن اس کیلئے کیا تدابیر کی جائیں یہ ایک مستقل اور خاصا وسیع الاطراف موضوع ہے جس کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا ہے، البتہ کمال حاصل کرنے کے ایک مختصر قرآنی نسخہ کی طرف متوجہ کر دینا غالباً بے محل نہ سمجھا جائیگا جسے "نسخہ کیمیا" کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا اس "نسخہ" کے صرف تین اجزاء ہیں تقویٰ، صبر، احسان یعنی خدا کی نافرمانی سے بچنے کیساتھ ہر اس چیز سے پرہیز جو مقصد کیلئے مضرت رساں ہو اور جن کاموں سے مقصد برآری کی امید ہو انہیں جان لڑا دینا ـــــ اور ہمت نہ ہارنا ـــــ اور پھر ہر کام میں اس کا لحاظ رکھنا کہ بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پائے، یہ نسخہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ایسے برگزیدہ نبی حضرت یوسف ـــــ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ کی زبان سے ہمیں سنوایا گیا ہے جو خود اس نسخے کے بے خطا ہونے کا تجربہ کر چکے ہیں (انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین)"
(ص ۲۶۳-۲۶۵)

٭ "آخری بات یہ کہ فارغین مدارس کو عصری تعلیمی اداروں میں داخلہ لیتے وقت اپنے اس آفاقی مقصد کو بھی اپنے ساتھ لے کر آنا چاہیئے جسکی تکمیل کیلئے ان کو دینی اداروں میں تیار کیا گیا ہے اور ان کا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف ہونا چاہیئے کہ دینی طریقہ تدریس اور جدید سیکولر طریقہ تعلیم کے مابین مقاصد و نظریات میں خاصا اختلاف ہے دینی مدارس روحانی تربیت پر توجہ دیتے ہیں اور سیکولر تعلیمی ادارے مادی تربیت کا بیڑا اٹھاتے ہیں ان مقاصد و نظریات کا اثر براہ راست ماحول و معاشرے پر پڑتا ہے لیکن حاملین دین اور فارغین مدارس دینیہ کا منصب اثر پذیری نہیں اثرات اندازی ہے" (ص ـــــ ۳۰۹)

اخیر میں ایک چیز جو کھٹکی اسکا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جامعۃ الفلاح کا سن تاسیس ص ۱۲ پر ۱۹۵۷ء بتایا گیا ہے اور ص ۱۴۱ پر ۱۹۶۱ء ان دونوں میں جو صحیح ہو اسے ہی دونوں مقامات پر درج کیا جانا چاہیئے تھا۔

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

لائبریری کی بنیاد

کتب خانوں کی اہمیت ہمارے قارئین سے پوشیدہ نہیں ۲۰ ستمبر ۱۹۹۵ء جامعہ کی تاریخ میں یاد رکھا جائیگا کہ اس دن بزرگ استاذ سابق صدر جامعہ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی کے ہاتھوں جامعہ کے کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سعادت میں ناظم جامعہ اور صدر جامعہ کے علاوہ بعض ارکان انتظامیہ اساتذہ جامعہ اور سفینر طلبہ نے بھی حصہ لیا۔ یہ کتب خانہ تیرہ ہزار مربع فٹ (۱۱۶×۱۱۶) پر محیط ہوگا۔ ہمیں جامعہ کے انجینئر جناب مرزا شعیب حسین (گورکھپور) اور جناب شاہ عالم صدیقی (B.E. Civil) گورکھپور نے، جن کی زیر نگرانی دارالاقامہ کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح کی تعمیر جاری ہے، بتایا کہ یہ سہ منزلہ کتب خانہ جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہوگا جس میں ڈھائی لاکھ کتابوں کی گنجائش ہوگی، دارالمطالعہ، دوریات، رسائل و جرائد، کیٹ لاگ (CAT LOGUE) کتابوں کا اسٹیک (STACK) مخطوطات، کیسٹس، ریسرچ اور تحقیق، جلد سازی، آڈیو، ویڈیو اور مائکرو فلم وغیرہ کے مستقل شعبے ہونگے۔

سنگ بنیاد کے موقع پر صدر انجمن اور سابق صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ صاحب اثری فلاحی نے انجمن کی جانب سے اس کتب خانہ کو ایک لاکھ روپئے کی گرانقدر کتابیں دینے کا اعلان کیا۔

دو روزہ سمینار

علمی ماحول بنانے اور طلبہ کی معلومات کو وسعت فکر و نظر دینے کیلئے جامعہ کی جانب سے مختلف پروگراموں کا اہتمام ہوتا رہتا ہے۔ یہ دو روزہ سمینار بعنوان "اسلامی معاشیات۔ امور و مسائل" اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جو جامعہ میں الجمعیۃ الہندیۃ للاقتصاد الاسلامی کے تعاون سے ۲۶، ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء جمعہ و سنیچر ہوا۔

اس سمینار میں اسلامی معاشیات کی خصوصیات، مآخذ، اسلامی معاشی افکار کا تاریخی جائزہ، اسلامی معاشیات سے متعلق فتاوے، اسلامی بینک کاری کے مسائل و امکانات، اسلامی اصولوں پر ہندوستان میں سرمایہ کاری اور مدارس میں معاشیات کی تدریس، ضرورت، طریقہ کار اور اس سلسلہ کے مسائل جیسے امور پر جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب فریدی علیگڑھ، ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب اصلاحی علیگڑھ، ڈاکٹر ظفرالاسلام صاحب اصلاحی علیگڑھ، ڈاکٹر جاوید احمد خاں صاحب علیگڑھ، صباح الدین صاحب اعظمی علیگڑھ اور مولانا محمد طاہر صاحب مدنی نے اپنے مقالے پیش کئے۔ مسٹر ولید احمد انصاری علیگڑھ کا مقالہ ڈاکٹر محمد خالد صاحب شبلی کالج نے پڑھا۔ نیز ناظم جامعہ حاجی عبدالمتین صاحب اور صدر جامعہ مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی صاحب نے بھی اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔

نئے نگران اعلیٰ

مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی نے ۳۰ ستمبر ۱۹۹۵ء کو نگران اعلیٰ کی ذمہ داری سنبھال لی ہے اور نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ کام شروع کر دیا ہے۔ تعلیم و تربیت کے نظام میں بہتری لانے کیلئے کچھ نئے تجربات کا اضافہ کیا ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک قدم یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ علمی معیار کو بلند کرنے کی غرض سے بعض اساتذہ نے درجہ کے اوقات کے علاوہ عربی ادب دانشاء، حدیث و فقہ اور انگریزی کی کلاسیں لینا شروع کر دی ہیں۔

محی الدین غازی جامعہ اسلامیہ میں

قارئین کو یاد ہوگا کہ پچھلے سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی جانب سے منعقد دورۂ تدریب میں محی الدین غازی فلاحی نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا تھا اور پہلی پوزیشن حاصل کی تھی، انکی علمی و عملی صلاحیتوں اور حسن ادب سے کیمپ کے اساتذہ پر خوشگوار اثرات مرتب ہوئے تھے۔ چنانچہ انھیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اعلیٰ تعلیم

کیلئے منتخب کرلیا گیا ہے اور اب وہ وہاں پہونچ گئے ہیں۔

دو بسیں مزید

کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح کا دارالاقامہ اتنی گنجائش نہیں رکھتا کہ ڈھائی ہزار طالبات اس میں قیام کر سکیں۔ نتیجۃً جامعہ کے اطراف وجوانب سے، دس بارہ کلو میٹر کے فاصلہ سے طالبات روزانہ آتی جاتی ہیں جن کیلئے جامعہ کی جانب سے بسوں کا انتظام ہے۔ یہ بسیں ناکافی ہیں جنہیں ایک روٹ پر کئی چکر لگانے ہوتے ہیں۔ دوسرے ان تمام جگہوں کیلئے ان کا انتظام بھی نہیں ہو سکا جہاں سے طالبات آتی ہیں، جسکی وجہ سے دوسری سواریوں سے آنے میں انہیں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں پریشانیوں کو دیکھ کر دو بسیں مزید خریدی گئی ہیں۔ جنمیں سے ایک بالکلیہ غازی و فلاحی برادران کے تعاون سے اور دوسری فلاحی برادران کے ساتھ دیگر اہل خیر کے تعاون کا نتیجہ ہے اس سلسلہ میں ذمہ داران انجمن اور ذمہ داران جامعہ مولانا رحمت صاحب اثری فلاحی، مولانا محمد عمران صاحب فلاحی مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی، مولانا نور محمد صاحب فلاحی، ڈاکٹر خلیل احمد صاحب منشی سہیل احمد صاحب اور اکبر حسن صاحب پر مشتمل ایک وفد بمبئی بھی گیا تھا۔ جہاں فلاحی برادران کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ جسکی وجہ سے ان دونوں بسوں کا خریدنا ممکن ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو جو اس کار خیر میں کسی بھی پہلو سے شریک رہیا۔ اپنے بے پایاں اجر سے نوازے۔

بمبئی میں رابطہ دفتر

عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ بعض بڑے شہروں میں لوگوں کی رہنمائی، جامعہ کے سلسلہ میں معلومات فراہم کرنے اور دیگر ضروریات کے پیش نظر ایک رابطہ دفتر ہو۔ جس کا آغاز بمبئی سے ہو گیا ہے۔ بمبئی میں فلاحیوں کی معتدبہ تعداد ہے، یہ دفتر ساکی ناکہ، لنک روڈ، مسجد کے قریب واقع ہے۔ جس کیلئے عارضی طور پر برادر عبدالسمیع فلاحی کی خدمات بھی حاصل ہو گئی ہیں۔

المناک حادثہ

جامعہ میں ششماہی چھٹی ہوئی طلبہ نے اساتذہ سے دعائیں لیں اور خوشی خوشی گھروں کو روانہ ہوئے، کسے خبر تھی کہ جب مدرسہ کھلے گا تو ہم سنیں گے کہ مدثر عبد اللہ ایک کشمیری طالب علم بریلی کے قریب تمبر پور میں ریل حادثہ میں جاں بحق ہو گیا، ۱۸ سالہ یہ طالب علم ہائی اسکول کی تعلیم چھوڑ کر اسی سال عربی اول میں یہاں آیا تھا۔ ذہین، دوسروں کے کام آنے والا، نیک سیرت اور خوبرو نوجوان تھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور گھر والوں کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

مولانا ممتاز احمد صاحب اصلاحی کا انتقال

رکن مجلس انتظامیہ اور انوار احمد فلاحی (قطر) کے والد جناب مولانا ممتاز احمد صاحب اصلاحی کم وبیش ۷۵ سال کی عمر میں ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء کو ۹ بجے شب میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن جمعہ بعد ان کے گاؤں چکیا شیخ احمد میلو، مبارکپور، اعظم گڑھ میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ نے خاصی تعداد میں شرکت کی۔ مرحوم ایک زمانہ تک یہاں کی مجلس عاملہ کے بھی ممبر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے معتمد خاص اور جماعت اسلامی کے ہمدردوں میں تھے۔ صاف ستھرے، وضعدار اور نستعلیق، دفتر کے نظم ونسق اور انتظام میں ماہر، جامعہ کی تعمیر وترقی میں شروع سے شریک، مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر اور جامعۃ الفلاح بلریا گنج دونوں کے ممبر انتظامیہ۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

متعدد بھائیوں کو صدمہ

دفتریات نویس تاخیر سے وصول اطلاعات کے مطابق جناب صابر حسین فلاحی (بنارس)، اور حافظ شوکت حسین فلاحی (کانپور) کی والدہ محترمہ پچھلے دنوں انتقال فرما گئیں۔ نیز جناب طارق فاروق علیگ

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

ترانہ جامعۃ الفلاح

نتیجۂ فکر
عبدالشکور دور صدیقی

عبدالشکور دور صدیقی کا یہ ترانہ جامعہ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا جو ڈاک کی نذر ہو گیا اور جناب عبدالباری شبنم سبحانی صاحب کا ترانہ ترانۂ جامعہ کی حیثیت سے منتخب قرار پایا۔ حیاتِ نو میں اسکی اشاعت سے مقصود موصوف کی کاوش کو محفوظ کرنا ہے (ادارہ)

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم — بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم
رگوں میں خونِ حریت لئے ہوئے جواں ہیں ہم — پیامِ زندگی لبوں پہ ہے وہ کارواں ہیں ہم

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

صراطِ مستقیم پہ ہمیشہ ہم رہیں گے گامزن — زباں پہ حمد و نعت ہو دلوں میں ذکرِ ربِّ ذوالمنن
نظر میں علمِ دینِ حق عمل میں اسوۂ حسن — حیاتِ نو ہے فکر کے لئے امید کی کرن

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

رواں دواں اگر ہیں ہم تو منزل آشنا قدم — عمل سے درسِ اتحاد دے رہے ہیں دم بدم
ہماری سمت اٹھتی ہے نگاہِ شوکت و حشم — مشن ہمارا بانکپن، ہمارا قسمتِ امم

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

قلم ہمارے ہاتھ میں علم ہمارے ساتھ میں — پیامِ دینِ حق ہمیں ہے پھیلانا شش جہات میں

دلیلِ راہِ حق ہمیں ہیں بزمِ کائنات میں — حیات بخش درس مل گیا رہِ نجات میں

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

ترقیوں کا یہ جہاں ہمارے دم قدم سے ہے — ضیائے آفتابِ علمِ دیں ہمارے دم سے ہے
یہ جذبِ ذکر و فکر و اعتقادِ حق تو ہم سے ہے — فیوضِ دینِ مصطفیٰ، نظامِ محترم سے ہے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

کتاب و سنت و فقہ ہے زندگی کا آئینہ — سلف کی شاہراہ ہے، قدم کا اپنے رہنما
قدیم کیا جدید، دونوں کے ہمیں ہیں پیشوا — چمن کا ذرہ کہہ رہا ہے جس کو مرحبا

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اس کے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

ہیں رزمگاہِ خیر و شر میں جان سر بکف لئے — ہماری بزمگاہِ نور، چہرۂ شرف لئے
چراغِ مصطفیٰ کا نور پہنچے ہر طرف لئے — بکھیرتے ہیں کوچہ و گلی میں صف بصف لئے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اس کے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

صریرِ خامۂ ادب، نوازنِ حجاز ہے — شعاعِ مہر عز و جاہ خود جبیں طراز ہے
جو گل ہے بوئے علم و فن سے آج سرفراز ہے — عنادلِ ہزار کا در دبستاں باز ہے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اس کے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

جو لالہ و گل و سمن چمن میں خوش ادا ہوئے — تو طائرانِ نغمہ زن ہمارے ہمنوا ہوئے
صبا، نسیم، عطر بیز پیرہن فضا ہوئے — سرود و نغمہ، زمزمہ نوائے جانفزا ہوئے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اس کے باغباں ہیں ہم

بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

ہمارے علم و فن کی شان کا ہے یہ عمل دخل   دلوں میں جذبہ جنوں بدن میں گرمیِ عمل
یہ علم و فن کی کاوشیں ہیں یا دلِ شکستہ جاں گسل   ہوئے نہ سدِّ راہ بھی کبھی مسائل و ملل

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

عزائم اپنے دوستوں میں انقلاب آفریں   جہانِ رنگ و نور میں تو ہیں ہمارے خوشہ چیں
ہوا سوادِ اعظم اک ہمیں سے صاحبِ یقیں   ہے جامعہ کا فرد فرد، آج مردِ آہنیں

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

فلاح کی ہے سرزمیں بہارِ جاوداں لئے   ہے نغمگی نغمہ زن سرودِ قلب و جاں لئے
شگفتگیِ برگِ گل ہے نکہتِ جناں لئے   ہیں تیغ و شباب جامعہ متاعِ دو جہاں لئے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

ہر ایک مخلص و مجاہد اپنا خضرِ راہ ہے   دلاور و زعیمِ وقت، مردِ دیں پناہ ہے
شعارِ دینِ حق، ہمارے حق میں زادِ راہ ہے   سبوئے دورِ جامعہ میں کیفِ لاالٰہ ہے

یہ گلشنِ فلاح ہے اور اسکے باغباں ہیں ہم
بہارِ دین و دانش و یقیں کے پاسباں ہیں ہم

طالبات قدیم متوجہ ہوں

عزیز بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ یہ خبر آپ لوگوں کیلئے یقیناً باعث مسرت ہوگی کہ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا چھٹا اجلاس عام ۱۵، ۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۹۶ء بروز جمعہ، سنیچر، اتوار منعقد ہونا طے پایا ہے اس موقع پر انجمن طالبات قدیم کا بھی مختصر پروگرام انشاء اللہ رکھا جائیگا جسکی تفصیل طے ہونے پر آپکو بذریعہ ڈاک اطلاع دیجائیگی۔

ہم اپنی تمام فلاحی بہنوں سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ان تاریخوں میں اپنے آپکو فارغ رکھیں اور اپنی مادر علمی کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں مذکورہ بالا تاریخوں میں حاضر ہونے کی کوشش کریں۔

اس موقع پر انجمن طالبات قدیم کیلئے دستور بھی وضع کیا جانا ہے لہٰذا! اس سلسلے میں بھی اپنی تجاویز اور مشوروں سے مستفید فرمائیں، اور جن بہنوں نے اب تک اپنے موجودہ پتے سے ہمیں مطلع نہیں کیا ہے براہ کرم وہ اپنے پتے پہلی فرصت میں ہمیں ارسال کریں تاکہ بوقت ضرورت ان سے ربط رکھا جاسکے۔

والسلام

ساجدہ ابواللیث

کنوینر انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح

Regd. No. 46065/86
Monthly MAJALLAH HAYAT—E—NAU
BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)
Sep., Oct., Nov., Dec. 1995 Vol No. 9 To 12

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی تازہ پیشکش

"ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ ۲۹، ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۹۳ء
منجانب :- انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ۔

اس مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

- دینی مدارس اپنا متوقع کردار کیوں نہیں ادا کرسکتے ؟
- ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس
- عہد نبوی کے تعلیمی ادارے
- ہندوستان کی موجودہ تعلیمی تحریکات —— ایک جائزہ
- دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم
- ملت کے معاشی مسائل اور دینی مدارس
- دور جدید کے تقاضے اور دینی مدارس کا نصاب
- تعلیم بالغان اور دینی مدارس
- مدارس دینیہ کا وفاق —— مسائل اور مشکلات
- بھارتیہ جنتا پارٹی کی تعلیمی پالیسی
- جماعت اسلامی ہند کا تعلیمی نظام
- عصری جامعات سے الحاق اور اسکے مسائل وغیرہ موضوعات پر ماہرین تعلیم وتربیت کے گراں قدر خیالات۔

قیمت ۴۰ روپے صفحات ۳۱۰

ملنے کے پتے :

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱
مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶
مدھر سندیش سنگم ای ۲۰ ابوالفضل اینکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵